

Class No...A. 819.011.....

Book No.....

File. JAWAHAR - E - SUKĤAN; YAANI URDU SHORA KE  
KALAM KA INTIKHAB

Translator - Musettilag mehel. Mubeen kaifi chisya kati  
Publisher - Hindustani Academy (Allahabad).

Date - 1933

Pages - 227.

Subjects - Urdu Shajari - Intikhab.

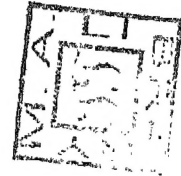
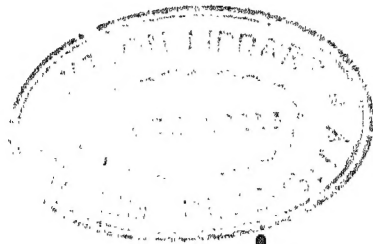


# جواہرِ سخن

۶/۵

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے  
مولوی محمد بین کشتی، چریا کوٹی، نے مرتب کیا



چوتھی جلد

جس پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی،  
نے نظر ثانی فرمائی

۱۹۳۹ء

ہندوستانی اکیڈمی، صوبہ متحدہ، آلہ آباد





# جواہر سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے  
مولوی محمد حسین کسٹنی، چیریا کوٹی نے مرتب کیا

چوتھی جلد

جس پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی،  
نے نظارثانی فرمائی

۱۹۳۹ء

ہندوستانی اکیڈمی، صوبہ متحدہ، آلہ آباد



## فہرست شعرا

ردیف	شاعر	صفحہ
۱	نواب فقیر محمد خان	۱
۲	خواجہ ارشد علی	۱۲
۳	میر مظفر حسین	۲۱
۴	میر مستحسن	۲۲
۵	میر پیر علی	۲۶
۶	میرزا سلامت علی	۶۲
۷	سید حسین مرزا	۶۹
۸	میر محمد نواب	۷۲
۹	میر خورشید علی	۸۵
۱۰	میر وزیر لکھنوی	۸۹
۱۱	سید اسماعیل حسین	۹۳
۱۲	سید فرزند احمد	۱۱۶
۱۳	سید غلام حسین	۱۲۲
۱۴	لالہ صادق رام	۱۳۹
۱۵	سید علی مہار	۱۴۴
۱۶	ذاکر علی	۱۴۹
۱۷	شاہ غلام حیدر	۱۵۴
۱۸	تربہون ناتھ	۱۶۱
۱۹	محمد جان خان	۱۶۶
۲۰	گوری شکر	۱۸۰
۲۱	چوہدر سید گھ	۱۸۲
۲۲	طاہر علی	۱۸۴
۲۳	پندت شوناتھ چک	۱۸۷
۲۴	شاہ امین الدین	۱۹۰
۲۵	شاہ عبد العظیم	۲۱۴
۲۶	گوبیا	۲
۲۷	قلق	۲
۲۸	ضمیر	۳
۲۹	خلیق	۴
۳۰	انوس	۵
۳۱	دیور	۶
۳۲	عشق	۷
۳۳	مونس	۸
۳۴	نقیس	۹
۳۵	نور	۱۰
۳۶	مذہر	۱۱
۳۷	صفیر	۱۲
۳۸	قدر	۱۳
۳۹	جوہر	۱۴
۴۰	کامل	۱۵
۴۱	ذاکر	۱۶
۴۲	صغیر	۱۷
۴۳	ہجر	۱۸
۴۴	حدوت	۱۹
۴۵	سلیم	۲۰
۴۶	جوہر	۲۱
۴۷	طاہر	۲۲
۴۸	کھف	۲۳
۴۹	قصیر	۲۴
۵۰	آسی	۲۵



## چوتھے دور کی خصوصیات

اس دور کے شعرا کو مولف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ جواہر سخن کی یہ چوتھی جلد ہے، جس میں لکھنؤ کے شعرا کو داخل کیا ہے اور دوسرا حصہ پانچویں جلد ہے جو دہلی کے شعرا پر مشتمل ہے۔ اگرچہ چاند باکمال شاعروں انیس، دبیر، غالب، مومن، ذوق سے قطع نظر کر لیا جائے تو عام طور سے اس دور کی شاعری میں کوئی خاص ترقی نظر نہیں آتی۔

اس جلد میں جو چھ سب سے زیادہ نمایاں وہ مرثیہ ہے۔ مرثیہ کی بلحاظ اگرچہ میر امانی، میر عاصمی، رخشاں، سنگندر، مہاں مسکھوں، افسردہ، میر ضاحک، مرزا سودا اور میر حسن کے زمانے سے پڑ چکی تھی تاہم اُس وقت تک اُس کا مقصد صرف دونا، دلانا اور ثواب حاصل کرنا تھا۔ شاعری اور مضمون آفرینی، اُس کا مقصد نہ تھی۔ سودا کے زمانے تک مرثیہ کا یہی حال رہا۔

میر ضمیر نے مرثیہ کے مضامین میں اضافہ کیا، کلام میں زور، بلدیہ میں چستی اور صفائی پیدا کی، شاعرانہ استدلال کے نمونے پھیل گئے، نئی تشبیہیں، استعارے، سلیقے سے نظم کیے۔ معرکہ کارزار کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے، نلواریں اور گھوڑے کی تعریف میں خاص اہتمام کیا۔ پہلے مرثیہ، تیس، چالیس یا پچاس بند تک ہوتا تھا۔ انہوں نے تمہید لکھی، چہرہ باندھا، سراپا لکھا، میدان جنگ کا نقشہ کھینچا اور شہادت کے بھان پر مرثیہ کو ختم کیا۔ میر خلیق نے بھان کی صفائی اور محاورے کی صحت پر سب سے زیادہ توجہ کی، اور درد و اثر پیدا کیا۔ اسی زمانے میں غزل کے انداز پر سلام اور غزل مستزاد کے اسلوب پر نوحہ کی بلحاظ پڑی، سلام اور مرثیوں میں مصائب، فضائل اور معجزات کی روایتیں، صفائی، سلامت اور سادگی کے ساتھ بھان کی جالے لگھیں [۱]۔

میر ضمیر اور میر خلیق نے مرثیہ کے میدان کو بہت وسیع کر دیا، بلحاظ پڑ چکی تھی اور عمارت بلدیہ لگی تھی، اُس کی تکمیل میر انیس اور

( ب )

مرزا دبیر کے ہاتھوں ہوئی - انہوں نے اپنے مرتبوں میں واقعات کے تسلسل، مصالکات کی بلندی، طرز بیان کی دلنشینی، مناظر قدرت کی مصوری، جذبات نگاری اور زور بیان کا ایک ایسا درخشاں نمونہ پیش کیا ہے جو اردو شاعری میں گراں بہا اضافہ ہے اور اس دور کی کامیابی کی زندہ شہادت - مناظر قدرت میں صبح کا سماں، طالع آفتاب، شام کا سپانا وقت، چاندنی کا لطف، سبزے کی بہار - ہر کج جنگ میں مبارزوں کی رجز خوانی، حملہ آوروں کے حملے، پہلوانوں کی لڑائیاں، لڑائی کا سامان تلوار اور گھوڑے کی تعریف، فرض صدھا مناظر، سیکڑوں جگہ دکھائے گئے ہیں اور ہر جگہ تشبیہ و تخیل نئی ہے - بحیثیت مجموعی دور از دار تخیل اور بے چارہ اغراق کو بہت ہی کم دخل دیا ہے - صناع و بدائع بتی خوبی سے استعمال ہوئے ہیں۔ کلام صاف، سلیس اور رنگین ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیم سے بھرا ہوا ہے -

اس دور کی فزل سوز و گداز، مضامین تصوف اور تشبیہات و استعارات سے خالی نہیں ہے اور فطری اور اخلاقی مضامین بھی اُس میں ادا کیے گئے ہیں، لیکن خیالات اور موضوعات کا بہت کم اضافہ ہوا -

قصیدے میں غلو اور بے چارہ مبالغے کے بھائے تشبیہ کا غلبہ ہے - "آسی" نے قصائد میں مسائل تصوف کو بیان کیا ہے - "گویا" اور "قدر" بلگرامی نے زبان کی خوبی خاص طور پر پیش نظر رکھی ہے -

مثنوی میں سلاست و روانی، مضامین کی خوبی سے زیادہ ہے - زیادہ تر مثنویاں، سحرالبیان کی تقلید میں لکھی گئی ہیں، لیکن سحرالبیان کے مقابلے میں، سادگی، صفائی اور شعریت ان مثنویوں میں کم ہے -

رباعی میں کئی خاص ترقی نہیں ہوئی - البتہ مہر انوس اور مرزا دبیر نے مذہب عقائد فلسفے اور فطرت کے مختلف مسائل پیش کیے ہیں اور ان کی رباعیوں میں تشبیہیں، استعارے، زور تخیل، مضمون آفرینی اور بلندی مضامین سب کچھ موجود ہے -

مسائل نظمیں بھی لکھی گئیں ہیں واقعات پر کم اور نتیجہ خیز اخلاقیات پر زیادہ مبنی ہیں - "ملیر" نے اپنے واقعات و صائب بھی مختلف انداز سے لکھے ہیں - ان تمام نظموں میں بلندی کی جستجو اور طرز ادا کی خوبی کا لحاظ رکھا گیا ہے -

## گویا

حسام الدولہ نواب فقیر محمد خاں ”گویا“ قوم افغان (آفریدی) لکھنؤ کے امرا میں سے تھے۔ ابتدا سے شاعری کا شوق تھا۔ ناسخ کے شاگرد تھے اور خواجہ وزیر سے بھی اصلاح لیتے تھے۔ ۱۲۶۶ھ میں وفات پائی۔ انوار سہیلی کا ترجمہ ”بستان حکمت“ اور ایک دیوان ان سے یادگار ہے۔ انہوں نے ایذا دیوان ۱۲۳۲ھ میں مرتب کیا تھا جو ۱۸۸۹ء میں مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپا [۱]۔

کلام سے مشافی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آورد کے ساتھ آمد کا بھی کچھ رنگ ہے۔ اکثر اصناف میں یکساں روانی کے ساتھ لکھتے ہیں۔

### شذائیات

خونِ دوڑوں چشمِ زخم سے میں تیری یاد میں  
یارب! نشانہ ہوں تری آفت کے تیر کا  
پاپوش جس کے سر پہ دکھی بادشہ ہوا  
اللہ دے! مرتجہ ترے در کے فقیر کا

کوئی مجھ سا دیوانہ پیدا نہ ہوگا      ہوا بھی تو پھر ایسا رسوا نہ ہوگا

آپ سے جب گذر گئے پہنچے      یاد ہے راستہ ترے گھر کا

تجھ سا کوئی نہیں گلِ رعنا      چمنِ روزگار کو دیکھا

نہ اُسے لاسکے تو مرگئے آپ:      چمن اور اختیار کو دیکھا

اپنی غفلت ہے عینِ ہشیاری:      خواب میں ہم نے یار کو دیکھا



موت آئی مگر نہ یار آیا : اتر انتظار کو دیکھا

نہ آئے آپ میں ہم ' یار پھر کیا آکر : مزاج اپنا یہ خود رفتگی پسند ہوا  
 شراب پی کے میں ' اے مست سب دعاؤں کا جو روز جمعہ در میکہ نہ بلند ہوا  
 - اُٹھا جو بزم سے ساقی پکو لیا دامن میں آج دستِ سدو کا نوساز بلند ہوا

زاہد نے طرف حرم کا کیا ' ہلکو نے بُت کو سجدہ کیا  
 ناکام وہ ہوں مجھ سے " گویا " یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

چشمِ جانان کو دل زار نے سونے نہ دیا  
 رات بیدار کو بیدار نے سونے نہ دیا  
 وصل میں آنکھ لگی تھی کوئی دم ' اُس کے عوض  
 عمر بھر چرخِ جفا کار نے سونے نہ دیا

تھا جو افتادگی شعار اپنا نہ زمیں سے اُٹھا غبار اپنا  
 ہاتھ میں سمیٹتے تو زار رہا گردن میں ہم سے آزدہ دلِ گجر و مسلمان نہ ہوا  
 اِس تمنا میں ہم ' افسوس ' ہوئے سودائی ' تیرے ہاتھوں سے مگر چاک گریباں نہ ہوا  
 مرضِ عشق مرا دیکھ کے عیسیٰ نے کہا : ھوئے وہ درنکہ جس کا کبھی دوسرا نہ ہوا

نہ آنے کا ترا شکوہ عیثِ یہ کبھی میں آپ میں آیا تو ہوتا  
 اگر آنکھیں ہمیں دی ہوں خدا نے کبھی اُس بُت کو دکھایا تو ہوتا  
 کہتا ہے مسیح ' جن کو جاں بخشے اُن ہونٹوں نے ' آہ ' ہم کو مارا

توڑ سکتے نہیں اک تار بھی اب شعف سے ہم  
 چاک کرتے تھے کبھی اپنا گریباں کہتا

ناز و غمزے نے ' چشم و ابرو نے انہیں در چار نے شہیں مارا  
 دھویِ خوں بہا کریں کس سے ؟ چشمِ بدستار نے ہمیں مارا

ہم کو شبِ وصال میں بھی غم ہوا نصیب :  
دھڑکا یہی رہا کہ کہیں ہو نہ جائے صبح

اُس کے ہوں کافر و دیلمدار نہ کہوں پروا لے ؟  
کہ چراغِ حرم و شمعِ کلیسا ہے وہ رخ

خدا سے کم ، زیادہ سب سے کہیے : یہی کلمہ ہے شایانِ مقصد

ہر روش : خاک اُڑاتی ہے صبا میرے بعد  
ہو گئی اور ہی گلشن کی ہوا میرے بعد  
کیا ہی مرنے سے مرے شاد ہیں اللہ اللہ  
پُست کیا کرتے ہیں اب شکرِ خدا میرے بعد  
اُٹھ گھٹا صفحہٴ حسرتی سے نگہیں کی صورت  
نہ رہا میں ، تو مرا نام رہا میرے بعد

دعاؤں مانگی ہیں مدتوں تک جھکا کے سر ، ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر  
ہوا ہوں تب میں بتوں کا بلدہ ، خدا خدا کر ، خدا خدا کر

آخر ترے فراق میں ، پیرا ہوا وصال دیکھا نہ شامِ ہجر نے روے سحر ہلوز

کچھ نہ پوچھو ہم سے ، جو اُٹھا شکرِ رنجی میں اُطاف ؟  
سمجھے ہوں قلمِ مکرر پیار کی تکرار ہم

نقشِ پا کی طرح مت کر پائمال ، اب تو ، او ظالم ، مرتے جاتے ہیں ہم  
جلدِ دنیا سے اُٹھا لے ، اے فلک ، چشمِ عالم سے گدے جاتے ہیں ہم  
ایک خوش آنی نہیں تیرے بغیر ، لاکھ شکلیں دل کو دکھلاتے ہیں ہم  
اور کچھ حاصل نہیں ، پیر نام کو عاشقوں میں تیرے کھلاتے ہیں ہم

آنکھ مجھ سے پھیر کر کہتا ہے وہ : گدہ دہش ایام دکھلاتے ہیں ہم  
تو نے نظاروں سے گرایا کیا ہمیں ، سب کی نظروں سے گدے جاتے ہیں ہم  
ایسی خوش آنی ہے از خود رفتگی آپ میں برسوں نہیں آتے ہوں ہم  
یہ خدا لکھی تھی کیا تقدیر میں ؟ کہوں ، فلک ، یوں تھو کریں کھاتے ہیں ہم ؟

دل ہے اُٹیلہ وہ ہے پرتو فگار : پیار کو آغوش میں پاتے ہوں ہم

ناتوانی یہاں پر پرواز ہے رنگِ رُخ کے سانہاڑ جاتے ہیں ہم  
دیکھتے اب شامِ غربت کیا دکھائے رخصت اے صبحِ وطن جاتے ہیں ہم

وہ نہ اپنا ہوگا 'گر سرِ کات کر دکھلاے کوئی'  
پانو پو کر کس لئے اب درد سر پیدا کروں؟

نہ مرنے کے بھی تری صورت کو دیکھئے درد کا  
پتوں کا غہر کی آنکھوں میں 'وہ غبارِ مہر میں

زندہ جاوید ہونے کی تمنا ہے اگر '  
پہلے مرنے سے ملاوے آپ کو تو خاک میں

ایلی مژہ پہ لختِ چکریوں ہے جلوہ گر : روشن چراغِ جھسے لب آبجو کریں

جو ہمیں بھول گیا ہے ظالم ' اُس کو ہم یاد کیا کرتے ہیں  
ہم بلے چاند کے مالے "گویا"  
گرد اُس مے کے رہا کرتے نہیں

وصل اگر منظور تھا پرویز کا گھر کھودتا  
کوہ کن دیوانہ ہے شہریں تو پتھر میں نہیں

پڑا ہے اس پہ تو زلفِ درازِ یار کا سایہ  
قیامت تک شبِ فرقتِ سحر ہوئے تو میں جانوں

درد پہلو میں رہا کرتا ہے 'جب سے تو نہیں'  
ہجر میں بھی ایک دم خالی مرا پہلو نہیں

یہی کہہ کہ کے ہجرِ یار میں فریاد کرتے ہیں  
وہ بھولے ہم کو بیٹھے ہیں جلیں ہم یاد کرتے ہیں

سمجھ کر چھوڑ 'اومشاطہ' اُس کی زلفِ پرخم کو  
نہ برہم کر 'خدا کے واسطے' اسبابِ عالم کو

چلے میں کوچہ جانان میں آہِ آنشیں کرتے :  
لہے جاتے ہیں اپنے ساتھ جلت میں جہنم کو

فلجہ کوئی کہتا ہے ' کوئی وہم ' دھن کو  
کچھ ملے سے تو بولا کہ یہ عقدہ کہیں حل ہو

دیکھ ' اے معجزوں ' مری فریاد کی تاثیر کو  
دیدہ گریباں بڈایا حلقہ زنجیر کو

یہاں شکوۂ قاتل سے نہ آلودہ زباں ہو ' جو زخم لگے وہ بے شکرانہ دہاں ہو  
وہ کون سی جا ہے کہ نہیں جلوہ نما تم تسویر نہیں معلوم کہ کس جا ہو ' کہاں ہو

کوستے ہو جو ہانہ اٹھا کر تم اپنے نزدیک تو دعا ہے یہ

کیا ہی ' نام خدا ' ہے میرا صلہ بت جسے کہتے ہیں خدا ' ہے یہ

دل بھی اُس سے اٹھا نہیں سکتے : نساوانی سی نساوانی ہے !

تھجھ سے مغرور کی جھکی گردن : یہ بھی اک شان کبریائی ہے

آپ کو جانتا ہے آؤ-ملہ : صاف یہ اُس کی خود نمائی ہے

حُسن نے ملکِ دل کیا تاراج ' حضرت عشق کی دھائی ہے

آلفت یہ چھپائیں ہم کیسی کی : دل سے بھی کہیں نہ اپنے جی کی

تھکرا کے چلے جہوں کو موری : قسمت کے لکھ نے پادری کی

جو پلہاں تھا وہی ہر سو عیاں ہے یہ کہوے لن ترانی اب کہاں ہے ؟

حسرت دیدار نے مجھ کو کیا یہ بھدولس :

جستجو تیری دہی گدو تو نظر آیا مجھے

اُتھ کے اُس پہلو میں تو بیٹھا تو ' فرط شوق سے '

دل بھی اِس پہلو سے اُس پہلو نظر آیا مجھے

بعد مرنے کے گریبانِ کفن ثابت رہا

ہانہ اپنا آج بے قابو نظر آیا مجھے

یہ کس مسرت کے آنے کی آرزو ہے ؟ کہ دستِ دعا آج دستِ سہو ہے

گلدستاں میں چاکرِ ہراکِ گل کو دیکھا ؛ نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

نہ ہوگا کوئی مجھ سا مکتو تصور ؛ جسے دیکھتا ہوں ' سمجھتا ہوں تو ہے

نہ ہو وصل تو رات دن ہے برابر؛ سحر کی نہ کچھ شام کی ' آرزو ہے  
کسی گل کے کوچے سے گزری ہے شاید؛ صبا ' آج جو تجھ میں پھولوں کی بو ہے

تم وفا کا عوض جفا سمجھے اے بتو ' تم سے بس خدا سمجھے  
دورے کھا ہو کے خوش سوے مقتل : اُس کے ہم گھر کا راستا سمجھے  
جو ہے بھگوانہ ' آشنا ہے وہ : ہم جو کہتے ہوں ' کوئی کھا سمجھے ؟

کہو اُس برقیوش سے آج لازم ساتھ جانا ہے ؛  
' چماڑے پر ہمارے ابر رحمت شامیانا ہے  
گریبان پہاڑ کر دست چلوں سے ہوگی کب فرصت ؛  
ابھی تو دامن صعدرا کے بھی پرزے اُڑانا ہے

ہوں میں وہ بلبل کہ مثل طائر قبلہ نما  
ملہ نفس میں بھی نہ پھوڑا خانہ صواد سے  
عاشق کی آہ جائے گی اب عرش کے پرے ' زلفِ دراز بسوہ گئی قدِ بلند سے  
ہے آہ بھگساں کی رسائی ' خدا تلک چوہ جائیدے فلک پہ ' دا ' اُس کمال سے

مآلِ عاشق و معشوق ہے ایک : سنا ہے شمع سوزاں کی زبانی  
نہیں بچتا ہے ہمارِ مصیبت :  
سنا ہے ہم نے "گوہا" کی زبانی ؛

دم آیا مہری آنکھوں میں ' نہ آئے تم ' نہ آئے تم  
اجل بہتر ہے اِس ہر روز کی آمد واری سے

مرے گھر سے چلا وقتِ سحر جب وہ بُتِ ناف  
خدا کو بھی نہ سونپا میں نے ؛ یاں تک بدگمانی ہے

ہمیں اِس قیدِ الم سے تو دھائی ہوئی : شبِ ہجران کے عوض موت ہی آئی ہوئی  
بھدا ' آتی اگر بلدہ نوازی تم کو ؛ اے بتو ' گہر میں تو رہے ہی خدائی ہوئی

راہ دکھلائی قیامت وعدہ دیدار ہے : رات دن ہے انتظارِ آمدِ مستحضرِ مجھے

خاک میں جو ملا دیا مجھ کو : آسمان نے زمیں کو سونپا ہے  
 کہ رہے ہیں شبِ فراق میں ہم : آج کس کو اُمید فردا ہے ؟

مطرب نے ہجرِ یار میں چھوڑا ایسے اگر آوازِ گریہ اُٹھے گی پھر تارِ چنگ سے  
 مر گئے ہم ، تو صبا لائی جو ابِ نامہ وہ ہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے

نہ آسمان کے ہوئے اور نہ ہم زمیں کے ہوئے  
 جو تیرے دل سے گئے ہم نہ پھر کہیں کے ہوئے  
 پھر کہیں چھپ چھپ کے ہم جانے لگے ؛ لوگ پھر آ آ کے سمجھانے لگے

دل سے داغِ عشقِ پیری میں مٹایا چاہوے :  
 صبح ہو ، تو شمعِ روشن کو بجھایا چاہوے

ہیں سبکدوش ، سدا قیدِ الم سے آزاد ؛ کب گرفتارِ نفس ، مرغِ نظر ہوتا ہے ؟

لگا کر دل بُتِ نا آشنا سے ہیبتِ ہم پھر گئے اپنے خدا سے  
 مسلمان بھی کریں سجدے بتوں کو دعا مانگی تو یہ مانگی خدا سے

ہوں وہ مجرم ، کانپتا ہے خوف سے سارا بدن  
 ساتھ اُٹھاتے شرمِ آنی ہے دعا کے واسطے

#### قصائد

حضرت علی کی منقبت میں

ریاضِ دہر میں ہے بعدِ رنج ، راحت بھی  
 کہ پھول کھلتے ہیں ، ہوتا ہے جب گلابِ قلم  
 یہی اشارہ ہے اب چشمِ مستِ ساقی کا  
 کہ وصفِ کشتی سے میں چلے شتابِ قلم  
 عروسِ فکر اُٹھادے اب اپنے ملک سے نقاب  
 ہوا نکل کے قلمِ داناں سے بے ہجابِ قلم



غازی الدین حیدر بادشاہ کی مدح میں  
 خیال نرگس مہنگوں جو تھا دم تحریر  
 ہوئی ہے قلمقل مہلے مے ' قام کی سریر  
 وہ مست ہوں کہ مری خاک کا ہے مے سے خمیر  
 دلایا ہے مجھے طفلی میں دخت رز نے شیر  
 خیال سدل خط میں چاروں جو میں وحشی  
 قلم کی طرح ' مرے نقش پا یوں زنجیر  
 زباں سے گو نہ کہا حال ناتوانی کا  
 شکست رنگ سے کرتا رہا ہوں میں تقریر  
 فسادگی مری منظور کلک قدرت تھی  
 چچون نقش قدم پر لکھا خط تقدیر  
 وہ شوخ طفلی میں کرتا تھا مشق بہتیاں کی  
 سریر کلک پہ رکھتا تھا قہمت تقریر  
 نظر پڑی ترے بسمل کی جب سے بدستابی  
 مڑے کی شکل ہے جلیب میں جوہر شمشیر  
 فلک کے پار ہوئی اپنی آہ نیم شبی  
 ہمارے تیر سے میدان ہو گیا نخبیر  
 دلچسپ دیکھ کے کہتے ہیں اس لئے ہم کو  
 کہ آب تیغ سے اپنی ہوئی ہے خاک ' خمیر  
 مرے سبب سے جلوں کا ہے سلسلہ باقی  
 قدم سے ہے مرے آباد ' کوچہ زنجیر

یہ ہے ترے در دولت کی خاک کی تاثیر  
 کہ جس فقیر کو دیکھو ہے صاحب اکسیر  
 لکھے گا ملشی گردوں کچھ اپنا حال تجھے  
 ترا وہ رتبہ ہے ' اے افتاب عالمگیر '

اتھاروں بھر دعا ہاتھ اپنے اے مولا  
 کہ تو ہے شاہ زمن ' میں ہوں تیرے در کا فقیر



آہی تا رہے قائم یہ آسمان و زمیں  
 آہی تا کہ رہے آفتاب و ماہ ملہو  
 فلک پہ تا رہیں اختر ' زمیں پہ آدم زاد  
 آہی تا کہ رہے برق و وعدہ ابر مطہر  
 مژہ کو تیر کہیں اور کمان ابرو کو  
 ہمیشہ یار کی زلفوں کو تا لکھوں زنجہور  
 نگاہ یار ہو یارب ' بلاے جاں جب تک  
 سدا چشم پری تا ہو سرمہ مستحور  
 کمان چرخ ' ترے دوست کی ہو حلقہ بگوش  
 ترے وعدہ کو لگائے شہباز ثاقب تہر  
 الہی شوق سے تا غروب تیرا حکم رہے  
 کہا کریں تجھے سب آفتاب عالمگیر

تری بہار کرم کا ہے فیض عالم پر کہ پھول تو رکھتی ہے تلوار اور پھول سپہر  
 ہر ایک فیض سے تیرے ہے زندہ جاوید یہ کوا ہے دھل اوئی ہو یتیم سینہ کور  
 فقیر ' در پہ ترے چو گدا ہلکا وہ غنی کہ تیری خاک قدم میں ہے کھمبہ کا ٹور  
 نسیم صبح کو گر حکم ہو حفاظت کا نہ چاک ہووے گریبان غارتہ ہار دگر

ترے سحاب کرم کا جو دشت میں ہو گذار  
 تو شاخیں آفریں کی سبز ہو کے لٹیں بار  
 زمیں پہ ہاتھ جو تو دھوے ' اے سحاب کرم '  
 تو آب ' خاک کو گردے طلاے دست انبار  
 چہان و اہل چہاں ' تیرے زیر دست میں سب  
 زمیں پہ دست ستاروت ترا ہے ابر بہار  
 ہے ایک آئینہ بردار تیرا اسکندر  
 مثال قہصر و خاقان میں تیرے خندہ تبار  
 جو بیتھے تخت پہ تو سب کہیں سداں ہے  
 ہوں دست بستہ کپڑے افس و جتن بدین و یسار  
 اگر ہمدی اقبال کا نظارہ کرے  
 سر فلک سے گزے آفتاب کی دستار

سلام

کہا حضرت نے پانی فوج کو میری نہ دیں ظالم  
یہ پیاسے وہ ہیں جو پیتے ہیں آب تیغ و خنجر کو  
فرشتوں نے کہا شہید کا سر دیکھ نڈرے پر  
شہیدوں کا کیا سردار، حق نے ابن حیدر کو

ممحہ کے پانی بلکتا تھا اصغر بے شہر جو اشک بہتے تھے بانو کے دیدۂ تر سے  
پیدا لے گئے تا شام اُس کو کر کے اسیر محال اُٹھتا تھا جس ناتواں کا بستر سے  
شقی یہ کہتے تھے پیدل ہی لے چلیں گے ہم علی کا پوتا ہے ہمارا و ناتواں کیسا  
دل ٹکڑے ہوا، یاد مجھے آگئے عابد جس وقت کوئی چاک گریباں نظر آیا  
نہزوں میں گھرا دیکھ کے اکبر کو شہ دیں فرمانے لگے : شہر نیستان نظر آیا  
جب تیر کہا کے اصغر بے شہر مر گیا، گوئی کو خالی دیکھ کے بانو نے یہ کہا :  
یا شاہ دیں، بتاؤ مرا لال کیا ہوا؟ اصغر کو لاؤ، خالق اکبر کے واسطے  
رتبہ نہ کروں بلکہ ہو میرے سلام کا ہوں مجرئی حسین علیہ السلام کا  
مانف نے کی ندا کہ سختی کا ہے سر بلبلد نڈرے کی نوک پر جو چڑھا سر امام کا

منہم

بغیر خواب عدم، شاہ نے نہ خواب کیا، سوائے آب دم تیغ، ترک آب کیا  
کلا نیتا دیا، ہو گز نہ اضطراب کیا؛ سلام اُس پہ جسے حق نے کامیاب کیا  
جہاں میں شاہ شہیداں، عطا خطاب کیا

## قلاق

آفتاب الدولہ خواجہ ارشد علی [۱] خاں "قلاق" خواجہ بہادر حسون "فراق" کے بیٹے، لکھنؤ کے رہتے والے خواجہ وزیر کے بیٹھے اور شاگرد تھے [۲]۔ عرصے تک واجد علی شاہ کے مصاحب خاص رہے۔ جب وہ لکھنؤ سے گئے تو "قلاق" بھی اُن کے ساتھ تھے۔ اُن کی مثنوی "طلمسم اُلفت" مشہور ہے۔ دیوان "مظاہر عشق" کے نام سے مطبع نولکشور کانپور (۱۳۲۹ھ) میں چھپ گیا ہے جو تمام اصناف سخن پر حاوی ہے۔ ۲۸۱ھ کے بعد وفات پائی۔

غزل میں خواجہ وزیر سے علیحدہ آمد کی شان رکھتے ہیں، جرأت کی طرح معاملہ بلندی کی چھلک مروجوں ہے، زبان کی سلاست کو عاتق سے جانے نہیں دیتے۔ غزل کی طرح اور اصناف میں بھی اُن کا رنگ یکساں ہے۔

## غزلیات

صدائے آہ ہے مضمرا ب غم کی چھڑی سے پیدا  
دل نالائیہ! پردہ سے قلائد مستحکم کا  
کھلا ہے آبشاری سوشک غم سے سیلاب میں  
مرے گلشن میں لالہ نام ہے دافع مستحکم کا

[۱]—سخن شعرا میں خواجہ ارشد علی نام لکھا ہے، لیکن یہ غلط ہے۔

[۲]—سخن شعرا و تاریخ ادب اردو ج ۱، ص ۳۰۶۔

تھا قصد قتلِ فہر، مگر میں طلبِ ہوا :  
جلاّں مہربانِ ہوا، کہا سببِ ہوا ؟  
روئے تھے عقل و ہوش ہی کو ہم تو عشقِ میں  
لو اب تو دل سے صبر بھی رخصت طلبِ ہوا

پامال ہوں گے پیار کی رفتارِ ناز سے \_\_\_\_\_  
یہ محوِ بوخارِ دلِ ذی ہوش ہو گیا : \_\_\_\_\_  
دوڑوں جہاں کا لطف، فراموش ہو گیا  
اُٹھایا جب دوڑی کا اتھاڑِ عشق نے پردہ  
تو عالمِ چشمِ متجملوں میں ہوا لیلیٰ کے محکمِ کا  
اظہارِ عشق، رنگِ رخِ زرد نے کیا \_\_\_\_\_  
ہو گئی قضاے عمری، ادا، اپنی زیرِ تیغ \_\_\_\_\_  
آیا ہے آج وقتِ ہماری نماز کا  
مڑدہ، اے دل، کہ بس اپنی اچل آ پھلچلی  
حسرت، اے جان، کہ ہم سے درِ جانان چھوٹا

چوم لیں نشئے میں آج اُن کی نشیلی آنکھیں  
عین بے ہوشی لذت میں بھی ہشوار رہا

ادا سے دیکھ لو جانا رہے کلمہ دل کا \_\_\_\_\_  
اُٹھی خیر ہو کچھ آج رنگِ بدستِ لب ہے \_\_\_\_\_  
پہرا چو کوچہ قاتل سے کوئی پوچھوں گے \_\_\_\_\_  
وہ ظالم کرتے ہیں ہم پرتو لوگ کہتے ہیں \_\_\_\_\_  
ہزار فصلِ گل آئے جلّوں، وہ جوشِ کہاں؟ \_\_\_\_\_  
پوچھا صبا سے اِس نے پتا کوئے پیار کا \_\_\_\_\_  
دیکھو، ذرا شعور ہمارے غبار کا !

دور آخر میں مجھے جامِ دیا، اے ساقی،  
بارے صد شکر کہ اب بھی میں تجھے یاد آیا  
سچ تو ہے حقیرتِ انساں ہے عجب خود مطالب  
جب دیے دنِ سچ بُتوں نے تو خدا یاد آیا

چار دن بلبل بے کس نہ رہی بے کھٹکے  
 کبھی گل چیں جو گدا باغ سے صبا آیا  
 کسی نے بعد ہمارے نہ بادِ خوار کی قباہ رند رہے 'میکدہ خراب رہا  
 دم کی آمد شد نے وقت نزع یہ دعویٰ دیا :  
 طائر جہاں پر 'گمان نامہ بر ہونے لگا  
 بھٹکا نہیں ہے گریۂ شہلم دم سحر لبریز ہو چکا ہے پھیلا گلاب کا  
 پوری 'جگر سے داغ محبت مٹانے کی آیا قریب وقت غروب آفتاب کا  
 ہم نے احسان اسدہی کا نہ ہرباد کیا مرے دم مٹے طرف خانہ صبا کا  
 کھا تری یہاں کریں گے 'فلک نا انصاف' دلِ ناشاک ہمارا نہ کبھی شک کا  
 کفر و اسلام کے چہرہ زور سے چھڑایا 'صد شکر! قید مذہب سے جہلوں نے محبت زاد کیا  
 صاف لکھ بھٹکا جواب اُس نے مری تحریر کا  
 لو لفافہ کھل گدا ساوا خط تہہ دیر کا  
 جان بچ جائے جو دیدار دکھا دے اپنا چشم بزم سے سائل ہوں 'مسداتی کا  
 اپنے بیمار محبت کا کیا خوب علاج اسی مٹے پر تمہیں دعویٰ ہے مسداتی کا  
 منزل شوق میں کھا عشق نے کی راہزنی قافلہ موت لہا صبر و شکیبائی کا  
 کیا کیا نہ اپنے عشق پہ ہم کو غرور تھا محبت کا زاعدن کی سراسر قصور تھا  
 لاکھ دل عشق میں ساقی کے سلجھالا لہکن نشہ بادۂ الفت نے سلجھائے نہ دیا  
 ہاں عشق معجازی میں حقیقت یہ نظر ہے  
 بت پوجتے ہیں کوئی پرستار محبت کا  
 کر دیا دل نے ہمیں مَرور الزامِ عبت وہ ہمارے نہ شوئے ہم شوئے بدنام عبت  
 بے سبب یہ نہیں سرگوشیِ اربابِ فساد  
 عشق صادق کا سرے فلش ہوا راز کچھ آج

دو روزہ عمر ' قفس میں کتنی کہ گلشن میں  
ہر ایک طرح سے ہو جائے گی بسر ' صیاد

ہے زاہدوں کو مژد عبادت کی چشم داشت '   
میری نظر ہے اُس کی کسرم کی نگاہ پر

ان واعظوں کی ضد سے ہم اب کی بہار میں  
توڑیں گے توبہ پیر مغال کی دکان پر

بے ابر دند پیتے نہیں ' واعظو ' شراب  
کرتے ہیں یہ گناہ بھی رحمت کے زور پر

حسرت قتل میں موتا ہوں تامل کیا ہے  
بے گمانی پہ نظر کچھ مری ' جلاں ' نہ کر

واعظ ' ہے ان میں صاحب کیفیت ایک  
کیا پوچھتا ہے حال مریدان میفروش ؟

اے گل ' کہاں سے لائے گی ایسا بواں کا رنگ   
بلبل ' ہزار آرائے مری داستان کا رنگ  
قری بلد کی اور سیہ کار مجھ سا !   
یہ سر اور ترے آستانے کے قابل !

آکے ہستی میں عدم سے کر چلے کیا کام ہم   
اپے ذمے لے چلے اک مفت کا الزام ہم  
ابتداءے محبت دل کی   
یہ نہ تھی ہم کو انتہا معلوم

نگاہ پاک سے روئے نگار دیکھتے ہیں   
بتوں میں قدرت پور دگار دیکھتے ہیں  
قابل ' ہمارا چہتے جی ہوتا نہ فاصلہ   
پرتی نہ تیری تیغ اگر درمیان میں  
وہ مے پرست ہوں میں چہان خراب میں   
دیتا ہوں نقد ہوش ' بہائے شراب میں

اعجاز ہے کہ سحر ہے چشم سیاہ میں  
سو سو مژے ہیں یار کی اک اک نگاہ میں

لکھی تھی کس مژے کی فکری نصیب میں  
بستر نگائے بدلتے ہیں کوئے حبیب میں

تمیز اگر وہ نہ تجھے خوب و زشت میں  
 حوروں سے بھی ترا ہی پتا پوچھتے پھرے  
 اے کوئے یار، تجھ کو نہ بھولے بہشت میں  
 مہلا نکلا ہوا ہے ریاض بہشت میں  
 تو ہی مخلص ہو کچھ 'اے موسمِ بہری' لے  
 دل جلانے کو مرا تھمتی ہوا میں آنس  
 دیرو حرم میں سروہ جھکائیں محال ہے  
 پوچھو نہ کچھ خرابہ نشیمنوں کا حال زار  
 نوجوانی کے مزے یاد کروں یا نہ کروں  
 بچہ کلمیں سے کی دکانوں تو ڈھلانیوں آنس  
 جو مسجدے کرنے والے تھے آستان کے ہیں  
 ہم خاکساروں ملائے ہوئے آستان کے ہیں

بہارِ عیش ہوتی ہے خزاں 'پیری' ہے آنے کو ؛  
 جوانی روٹھی جاتی ہے 'کہیں کس سے ملانے کو ؟'  
 مری بے خان و مانی کچھ نہ پوچھو 'میں وہ بلبل ہوں  
 جگر دل میں گلوں کے تھونڈتا ہوں اشدائے کو

کہ دوں ابھی 'معاف جو میرا قصور ہو ؛  
 جان دیئے میں تو 'اے ہملفسو' پاک نہیں  
 کہنے کو آدمی ہو 'مگر رشک حور ہو  
 پاس آتا ہے کہ رسوائی صدا نہ ہو  
 لائی تو ہے آرا کے صبا کوئے یار سے  
 تری نہ مہری خاک کی مٹی خراب ہو

کہتے ہیں طالبِ دید 'ایک نظر دیکھوں تو'  
 ترچھی نظروں ہی سے دیکھوں وہ اُدھر دیکھوں تو'

گھر دل میں گر کے سیر دل داغدار دیکھ ؛  
 ہے نورِ حسن 'مانع دیدار روئے یار  
 اے جان 'خانہِ باغ کی آؤ بہار دیکھ  
 آنکھوں سے کہہ رہی تھیں : اُسے بار بار دیکھ

جان بھچوں 'نہوں پاتے میں خریدار ایسا  
 سر بکف پھرتے ہیں 'ملتنا نہیں چاہا کوئی

لے گھا عشقِ بے جا پھیر کے 'واعظ' سوئے دیر  
 طرفِ کعبہ جو 'اے قبیلہ حجابات' چلے

پروانہ بن کے صدقے ہو روئے نگار کے \_\_\_\_\_ کہ دو یہ شمع سے سر محفل پکار کے

پہلو میں مجھ حزین کے تھکتا ہے رات دن

یارب ' یہ دل ہے یا کوئی پھوڑا بغل میں ہے ؟

چشم باطن ' اگر اعجاز تصور سے کھلے ' \_\_\_\_\_ بلد آنکھیں دھیں اور اُن کا نظارا کیجے

یگانہ اُن کا بیگانہ ہے ' بیگانہ یگانہ ہے ؛ \_\_\_\_\_ خدائی سے نرالا اُن بتوں کا کارخانہ ہے

طلسم نوجوانی تھا عجب اک وقت ' ار پیروی ' \_\_\_\_\_

زمانہ خود فراموشی کا اپنی یاد کیا کیجے ؟

اُتھ کے اِس کوچے سے ' جا کر کہیں ہم کیا کرتے ؟

در ترا ہوتے ہوئے طوف حرم کیا کرتے ؟

چانتے تھے کہ سلامت نہ پھرے گا قاصد \_\_\_\_\_

خط میں تاکہد جواب اُن کو رقم کیا کرتے ؟

سراے دھر یہ دم لہجے کا مقام نہیں \_\_\_\_\_ مدد کے قافلے والو ' قدم بڑھائے ہوئے !

" قلی " یہ قول بزرگوں کا راست ہے واللہ \_\_\_\_\_ نہ آزمائو انہیں جو ہیں آزمائے ہوئے

کس چہن سے گزرتی ہے دندان مست کی ؛ \_\_\_\_\_ سوتے ہیں خشت خم کو سرہانے دھرے ہوئے

واعظ کی ضد سے رندوں نے دسم جدید کی \_\_\_\_\_ یعنی مہ صہام کی پہلی کو مہد کی

جنت وصال یار ہے ' دوزخ فراق یار \_\_\_\_\_ عاشق کو کیا فرض ہے نعیم و جہیم سے

آثار دہائی ہیں یہ دل بول دھا ہے \_\_\_\_\_ صہاد ستمگر مرے پر کھول دھا ہے

وہ ہم اسیر نفس ہیں کہ مر کے چھو تھیں گے \_\_\_\_\_ ہمیں ہے ایک ' خزاں آئے یا بہار آئے

### قصائد

واجد علی شاہ کی مدح میں

زبس ہے جوش پہ اُن روزوں خون رنگ بہار

ترپتی ہے رگ گل مثل نبض عاشق زار



بلے ہیں صاف ہم آواز گُلرخاں عاشق  
 شکست رنگ کی آواز ہے ترانہ یہ۔۔۔  
 ہزار شکر کہ پھولوں سے آشیاں چھایا  
 بہت دنوں میں ہر آئی مراد بلبل زار  
 پڑے جو رنگ گل تر کا عکس دریا میں  
 صدف میں دانہ مرجاں بلے در شہوار  
 دکھا رہی ہے یہ وحدت میں کثرت آج بہار  
 ریاض دھو میں ایک ایک گل بنا گازار  
 رواں ہے آب گہر میں فقط۔۔۔ کی کشتی  
 سحاب چوہ و سخا اس قدر ہے گوہر بار  
 چمن چمن ہے زمیں بارش سحاب کرم  
 بلے ہیں گوہر خورش آب دانہ مائے انار  
 وہ نور کے ہیں معانی وہ نور کے مضمون  
 ہر ایک مطالع عالی ہے مطالع انوار

باغباں سمجھے فلک سے کوئی تارا توتا  
 توت کر کوئی زمیں پر جو گرا برگ سمن  
 چھپ گیا چاندنی کا پھول جو پتوں میں کوئی  
 شبہ گلچھوں کو ہوا صاف کہ ہے چاند گہن  
 جوش گل ہے یہ چمن میں خس و خاشاک میں گم  
 آشیاں پھولوں سے چھپاتا ہے ہر ایک مرغ چمن  
 یہ ہوا چلتی ہے جان بخش عجب کہ! ہے اگر  
 مرغ تصویر بھی درواز کرے سوے چمن

مطلع

رخ پُر نور یہ ملدیل کا دیکھو چوبن  
 آسمانی اگر اطلس ہے تو سورج کی کرن  
 قطع ہو برہ کے پے جامہ حریر شعلہ  
 شمع قامت کو ہو درکار اگر پیرامن

شمع، فانوس سے جس طرح نظر آتی ہے  
یوں یہاں ہوتی ہے یوشاک سے تلویز بدن  
حسن کنگوں صبا دم کی لکھوں کیا تعریف  
حور کا مکھڑا ہے کندے میں ہے طاؤس چمن  
دم گلگشت ارادہ جو ہو تھمرانے کا  
صفتِ بوے گل اُتر جائے وہ دیوار چمن  
وہ پری، زیب کمر دھتی ہے ہر دم تلوار  
تبعِ ابرو سے کہیں اُس پہ سوا ہے چوہن  
پلا دے ساقی مہوش مجھے شرابِ طہور کہ لب پہ جام کے ہے ”اِنْ رِئَا لِنُغْفِرُ“  
جھکا دے گردن مینا پرنگ شیشہ سے دکھا دے جلوۂ مہتاب اُتھاکے جامِ بلور  
کرم سے شہ کے گدا بھی ہے شاہ کہلاتا کہ چانو توڑ کے بیٹھا تو ہو گیا تیسرے

#### سرای کی تعریف میں

اُتھاؤں عنانِ کمیتِ قلم دکھاؤں سراوی شہ کا حشم  
سورے کر بلا جب سراوی چلی گلستاں کو یاد بہاری چلی  
چلا جب ہوادار مثل نسیم گل باغِ جلالت کی پھیلتی شمیم  
معطر دماغ ہوا ہو گیا شگفتہ دل مدعا ہو گیا

#### عید کی تہنیت میں

خدیو جہاں، شاہ عالم پناہ ثریا وقار و فلک بارگاہ  
بہار گلستاںِ ہندوستان جہاں پرور جانِ ہندوستان  
مسہ برج شوکت دُر درجِ جاہ گل باغِ اقبال خاقانِ کلاہ  
فریدوں وقار و سلیمانِ حشم ہمایوں سیر، فخر دارا و جم  
دُرِ بحرِ بخشش، یمِ عدل و داد خدا ترس، راحت رساں، خوش نہاد  
حسن و مہین و ذہین و ذکی خلیق و سخی مابد و متقی  
”قالت“ تو کہاں مدحِ سلطان کہاں بس اب روک لے اپنے دست و زباں  
اُتھا کر سورے قبلہ دستِ دعا خداوندِ عالم سے کر التجا

( ۲۰ )

فلک پر درخشاں ہیں تاملہر و مہار      زموں پر ہیں تاجشہ و ہتھرو چار  
جہاں ہووے اور یہ جہاندار ہو      خدا اس کا یار و مددگار ہو  
یہ سلطان عالم سلامت رہے  
سلامت رہے ہا کرامت رہے

---

رباعی

یا رب، تیری وہ فیض رساں ہے درگاہ      پوہتا نہیں مستحروم کوئی حاجت خواہ  
فہروں سے کروں سوال تیرے ہوتے      لا حول و لا قوۃ إلا باللہ

---

## ضمیر

میرزا مظفر حسین "ضمیر" پبلشرز، ضلع گڑگواں کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد میر قادر حسین [۱]، نواب آصف الدولہ کے خواجہ سرا میاں الماس کے ملازم تھے۔ نواب آصف الدولہ نے جب فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ آباد کیا تو میر قادر حسین بھی مع اپنے صاحبزادے میر ضمیر کے لکھنؤ چلے آئے۔ میر ضمیر "مصطفیٰ" کے شاگرد تھے [۲]۔ تھوڑے دنوں میں کافی شہرت حاصل کر لی اور مرثیہ گوئی سے زیادہ مرثیہ خوانی میں مشہور ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ اردو میں رزمیہ شاعری اور سراپا کے موجد ہیں۔ رزمیہ شاعری کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے ان کے مرثیہ میں موجود ہیں۔ مرثیہ کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

## مرثیہ

### صبح کا سماں

نکلا جو سر مہر گردیدانِ سحر سے      انجم کے گہر گر گئے دامنِ سحر سے  
مہتاب کا رنگ آرزو گویا دامنِ سحر سے      روشن ہوا صبرا رخ تابانِ سحر سے  
جو وادیِ ایمن میں ہوا طور کا عالم  
وہ خیمۂ شہیر میں تھا نور کا عالم

وہ نور کا ترکا ادھر اور صبح کا عالم      گھٹنا سے و انجم کی تنہائی کا وہ کم کم  
آتی تھی صدائے دہلِ صبح بھی بدھم      چلتی تھی نسیمِ سحری دشت میں تھم تھم  
کرتا تھا چراغِ سحری عزمِ سفر کا  
اور شورِ درختوں پہ وہ مرجانِ سحر کا

[۱]۔۔۔ سخن شعرا میں میر قادر علی نام لکھا ہے۔

[۲]۔۔۔ تاریخ ادبِ اردو ج ۱، ص ۲۳۱۔

کہتا تھا کوئی جلد سکھانے کو چگاڑ اور مابعد بیمار کے شانے کو ہلاؤ  
 ہے قم سے پڑی خاک پتہ بانو کو چگاڑ ہاں بھڑو اب رخصت شہر کو آؤ  
 حضرت کی سواری در خیمہ پتہ کھڑی ہے  
 ہشیار رہو رات تو کل چار گھڑی ہے

#### حضرت مسلم کوٹے میں

شام کو داخل مسجد ہوئے وہ لوگ تمام وقت مغرب کے کیا حضرت مسلم کو امام  
 پھیرا مسلم نے جونہی بعد تشہد کے سلام پھر کے دیکھا تو انہوں نے شخص کل اعلیٰ اسلام  
 نکلے مسجد سے تو کہا کیا انہیں وسواس نہ تھا  
 نو دفعہ توں کو بھی دیکھا تو کوئی یاس نہ تھا  
 اس طرح لشکر مسلم جو پراگندہ ہوا حاکم کوٹہ نے پھیری یہ ملائی اُس جا  
 گھر میں مسلم کو اگر کوئی جگہ دیوے گا صاحب خانہ نے وہ مورد آفات و بلا [۱]  
 ناکے روکے کلمے اور راہ گذر بلند ہوئے  
 شہر میں مسلم مظلوم نظر بلند ہوئے  
 تب کہ حضرت مسلم نے کہ اب جائیں کہاں راہ کیا خربہ سمجھے میں حقیقہ میں  
 بھوکے پیاسے شب تاریک میں تھے سرگرداں تا درخانہ طوعہ جونہی پہنچے گریباں  
 اُس ضعیفہ کو یہ دیکھا کہ دعا کرتی ہے  
 در یہ بیٹھی ہوئی کچھ ذکر خدا کرتی ہے  
 بولے مسلم کہ بہت پیاس سے میں ہوں بیتاب [۲] پانی دنیا میں پیاسے کو پلانا ہے ثواب  
 شہر کا حال دگرگوں چوتھا [۳] اُتھر وہ شتاب آب شیریں [۴] سے پرتعجب ہوا اس قدر آب  
 دہرتے دہرتے جو حوالے قدح آب کیا  
 طوعہ نے طوعاً و کرہاً انہیں سیراب کیا  
 تھک کے بیٹھے وہیں مسلم اُسی دیوار تلے کہا طوعہ نے کہ اُتھجا سرے دروازے سے  
 ہے بہت شہر پر آشوب یہی قدر ہے متجھے روکے اُس پھر ضعیفہ سے کہا مسلم نے

[۱]—نک یعنی نور انکشوری نمطہ (صاحب خانہ وہ عورے کا کرتار ہوتا)۔

[۲]—نک (اُس سے مسلم نے کہا پیاس سے عوں میں پتہ تاب)۔

[۳]—نک (تھا پتہ)۔ [۴]—نک (سود پانی)۔

آج کی رات جو گھر میں مجھے [۱] مہمان کرے  
 یہ یقین ہے کہ محنت پہ وہ احسان کرے  
 کہا طوع نے کہ تو کون ہے اے مرد خدا کہا مسلم نے کہ شیخ ہے بھائی میرا  
 مجھ کو سب کہتے ہیں مسلم ہے علی میرا چچا یہ زیارت تھا مجھے ابن علی [۲] نے بھجوا  
 کوئی دے گھر میں جگہ اس کا فقط طالب ہوں  
 میں ہی فرزند عقیل ابن ابی طالب ہوں  
 گریڑی بانٹو یہ طوع جو سنی یہ [۳] گفتار اور لگی کہلے کہ شہزادۂ عالم یہ [۴] نثار  
 تیرا دیدار ہے ' فرزند نبی کا دیدار روزگتے پرتے ' لونگی کا قدا ہے گھر بار  
 جان اپنی ترے قدسوں پہ میں قربان کروں  
 شوق سے آ کرے گھر میں تجھے مہمان کروں

[۱]۔۔ نل ( مجھے گھر میں جو ) - [۲]۔۔ نل ( ہے مجھے سچا نبی ) -

[۳]۔۔ نل ( یہ سنی جب ) • [۴]۔۔ نل ( کے ) -

## خلیق

مہر مستحسن "خلیق" مہر حسن صاحبِ مثلوی "بدرِ ملہر" کے چھوٹے بھائی، دہلی کے رہنے والے مہر ضہور کے ہمعصر تھے۔ تعلیم و تربیت فوج آباد اور لکھنؤ میں ہوئی۔ شائعِ غلامِ ہمدانی "مستحسن" سے مشورۂ مسکن کرتے تھے [۱]۔ ۱۲۶۵ھ میں وفات پائی [۲]۔

کلام میں روانی کی شان، زبان کی خلوت، متناکات کی بلندی، طرزِ بیان میں دل نشینی سب کچھ ہے۔ سب سے زیادہ یہ کہ انہوں نے مہر "انیس" کے لئے ایسا میدان تیار کر دیا کہ اُس میں ان کا کوئی بھی مقابل نظر نہیں آتا۔

## سرائی

امام حسینؑ کا سفر

گھر سے جب بھر سفر سود عالم نکلیے  
سہر جھٹکائے ہوئے با دیدہ پرزم نکلیے  
خویہیں و فرزند کمر باندہ کے باہم نکلے  
روکے فرمائیے کہ اِس شہر سے اب ہم نکلیے  
رات سے گریب زحرا کی صدا آتی ہے  
دیکھیں قسمت ہمیں کس دشت میں لے جاتی ہے  
یہ بہاں کر کے چلے واں سے شہ کون و مکاں  
یہ کس چہرے پہ چھائی تھی تو آنسو تھرواں  
لوگ سر پوٹ کے اُس دم ہوئے یوں گریہ کنیاں  
پوچھتے تاروت کے جس طرح سے عوشر و فلان  
غل تھا، اے سید ذی جلال، خدا کو سونپا  
اے مدیلے کے شہنشاہ، خدا کو سونپا

[۱]—کاشن بیٹنار، مکتب شہرا، آبِ حیات و سوانح، ریت۔

[۲]—مقدمۂ روحِ انیس ص ۱۳۔

والی ملک، عجب حائے کرتا ہے سفر پرکتیں اُٹھ گڈیں خالی ہوئے سادات کے گھر  
 نہ وہ زیلت رہی مسجد کی نہ زیب مسجد وعظ ہر جمعہ کو اب کون کہے گا چاکر  
 اِس طرح کافے کو مسجد میں اذان ہوئے گی  
 اب جماعت کی نماز آہ کہاں ہوئے گی  
 ذات شہر تھی اک رحمت رب باری کون اب دکھ میں فریبوں کی کرے گایاری  
 فہض کس گھر سے مدیلے میں رہے گا جاری پائیں گے کس کی دعاؤں سے شفا، آزادی  
 شہر سے سسائیے الطائف خدا جاتا ہے  
 مشکلیں باقی ہیں اور عقدہ کشا جاتا ہے  
 راہ میں شاہ کو تھا رنجِ معویات سفر سختیاں ہجر کی صغریٰ یہ گذرتی تھیں ادھر  
 تارے کن کن کے شب تار کو کرتی تھی سحر ”ہائے اماں“ نہا کبھی لپ پ کبھی ”ہائے پدر“  
 اِس مصیبت سے اُسے ہجر کا دن کھتا تھا  
 کہ پرستاروں کا دیکھ سے چگر پھٹتا تھا



## انڈیس

میر میر علی "انڈس" میر مستحسن "خلیق" کے بیٹے، میر حسن کے پوتے اور میر صاحبک کے پڑ پوتے تھے۔ ان کے آبا و اجداد نے دہلی میں قیام کر لیا تھا، مگر اصل میں بالمشائے ہرات کے تھے۔ جب دلی اجڑی تو ان کا خاندان فیض آباد چلا آیا۔ یہیں محلہ کلاب بازی میں ۱۲۱۶ھ میں میر انڈس پیدا ہوئے۔ یہ آصف الدولہ کا زمانہ تھا۔ امجد علی شاہ کے زمانے میں ان کے والد نے فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ میں قیام کر لیا۔ میر صاحب نے ابتدائی کتابیں فیض آباد میں میر نجف علی سے پڑھیں اور پھر لکھنؤ میں مووی حیدر علی لکھنؤ سے عربی کی تحصیل کی۔ فن شاعری بالخصوص مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں ان کو اپنے والد سے نلک تھا۔ ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۳ء) میں وفات پائی [۱]۔

میر صاحب ایک ہی مضمون کو جتنی بار باندھتے تھے، نہا لطف حاصل ہوتا ہے۔ صبح، تلوار، گھوڑے کی تہریف، مہمان جنگ، سراپا کو بھسویں جگہ نئے نئے انداز سے باندھا ہے۔ اس قسم کی شاعری کے لئے جن معذوں اور لفظی خوبیوں کی ضرورت ہے وہ سب میر صاحب کے ناکم میں موجود ہیں۔

## مراثی

### مراثیات

یارب، چمن نظم کو گلزار ارم نہ اے ایہ کرم، خشک چراغت یہ کرم کر  
تو فیض کا مبداء ہے توجہ کوئی دم کر غمناک کو اعتبار بدایوں میں رقم کر  
جب تک یہ چمک میر کے پرتو سے نہ جٹائے  
اقلہم سکن مہرے قلمرو سے نہ جٹائے

[۱] —خاندانہ جاوید و مقدمہ روح انیس و تاریخ ادب اردو ج ۱ ص ۳۱۷۔

اس باغ میں چشمے ہوں ترے فیض کے جاری بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری  
 ہر نیکل پرومند ہے یا حضرت باری پہل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری  
 وہ گل ہوں علمیات ' چمن طبع نکو کو  
 بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن بھولوں کی بو کو  
 قواص طبیعت کو عطا کر وہ لالی ہو جن کی جگہ تاج سر عرش پہ خالی  
 ایک ایک لڑی نظم ڈریا سے ہو عالی عالم کی نگاہوں سے گرے قطب شمالی  
 سب ہوں ڈر یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے  
 نڈر آن کی یہ ہوں گے چلہیں دشتہ ہندی سے  
 بھڑے ڈر مقصود سے اس ڈرج دہاں کو دریائے معانی سے بڑھا طبع رواں کو  
 آٹھ کو انداز [۱] تکلم سے زباں کو عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے حسن ' بیاں کو  
 تحسین کا سموات سے غل تا ہم فلک ہو  
 ہر گوش ہلے کان ملاحیت وہ نمک ہو  
 تعریف میں چشمے کو سملد سے ملا دوں قطرے کوچوں تاب [۲] تو گوہر سے ملا دوں  
 ڈرے کی چمک مہر ملور سے ملا دوں خاروں کو فراکت میں گل تر سے ملا دوں  
 گلدستہ معلیٰ کو نلے تھلگ سے باندھوں  
 اک پیواں کا مضمون ہو تو سو رنگ سے باندھوں  
 گر بزم کی جانب ہو توجہ دم تحریر کہلچ جائے ابھی گلشن فردوس کی تصویر  
 دیکھ نہ کہی صحبت انجم ' فلک پیو ہو جائے ہوا ' بزم سلیمان کی بھی توفیر  
 یوں تخت حسینان معانی اتر آئے  
 ہر چشم کو پروں کا اکھارا نظر آئے

تہلی

اے شمع قلم ' روشنی طور دکھا دے اے لوح ' تجلی رخ حور دکھا دے  
 اے بکھر طبیعت ' گہر نور دکھا دے اے شاہد معلیٰ ' رخ مستور دکھا دے  
 بزم غم شہید میں وہ جلوہ گری ہو  
 خورشید چہرانتاب چراغ سحری ہو

[۱] — "نل" سے قول کشور پریس کا اور "ن" سے نظامی پریس ہدایوں کا مطبوعہ نسخہ

مراد ہے - نل (آغاز) - [۲] — "نل" ن (آب) -

اے طبع رسا ، خلد کا گلزار دکھا دے      اے بالغ سکن ، گلشن بے خار دکھا دے  
 اے شمع زباں ، لعل انوار دکھا دے      اے حسن بول ، خوبی گنتار دکھا دے  
 لرزلیں ہر قدم خامہ اعجاز رقم کا  
 ہاں تیغ زباں ، آج تو کر کلم کلم کا  
 مانی کو بھی حور ہو وہ نقشا نظر آئے      بہتا ہوا اک نور کا دریا نظر آئے  
 اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے      سب بزم کو ستودر کا سراپا نظر آئے  
 مہتاب تو کیا ہے ، رخ خورشید بھی فق ہو  
 جو بلد ہو ، تصویر تجلی کا ورق ہو

خاموش زباں ، دعویٰ بھیجا نہیں اچھا      ہو جس میں تکبر سکن ایسا نہیں اچھا  
 بس بس یہ غرور اور یہ دعوا نہیں اچھا      تپ پلمی تھا ، وہ یہ شہر نہیں اچھا  
 کم مایہ کمال اپنا جتنا دیتا ہے انور  
 جو ظرف کہ خالی ہے صد دیتا ہے انور  
 خورشید کو کچھ حاجت زبور نہیں زہار      پہاڑوں پر کوئی عطر لٹاؤ تو ہے بیکار  
 اعلیٰ ہے اگر مجلس تو کیا حاجت اظہار      خود مشک ہو خوشبو نہ کہ خوشبو کہے عطار  
 جو بد ہے سو بد ہے ، جو نیکو ہے وہ نیکو ہے  
 چہلمے کی نہیں آپ ، اگر عود میں بو ہے

اپر شانور کی جنگ

یہ کہتے ہی چوٹل کیا شہید سہکتا : [۱]  
 اُڑکر صفِ اعدا یہ گھبرا صوت شہیداؤ  
 رنگ رخ انبواج ستم کر گیا پرواز  
 گھوڑا تھا مگر شہر کا تھا جست میں انداز : [۲]  
 اک دم میں گیا پار ، سواروں کے پیرے سے  
 مرکو ادھر آیا تو گئے خود سبوں کے  
 چمکی عجب انداز سے اُس شیر کی قلاوڑ  
 گویا سرِ اعدا یہ گدی برق شد پار

دھالوں سے بدن ایسے چھپاتے [۱] تھے سہہ کار  
 اُس دست زیر دست کا رکھتا تھا کوئی وار ؟  
 کچھ امن نہ تھا خود و زرہ سے ' تن و سر کو  
 سہلے سے گذر جانی تھی دو کر کے سپر کو  
 گاتے ہوئے پھل بڑھتے ہیں کے ' دن میں پڑے تھے  
 سہلے ہوئے گوشوں میں کماندار کہتے تھے  
 چھایا تھا ہراس اُن پہ ' ہمیشہ جو لڑے تھے  
 آنکھیں وہ چراتے تھے ' بہادر جو بڑے تھے  
 دہشت سے زرہ پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا  
 اُس تیغ نے تیغوں کا بھی منہ موز دیا تھا  
 تھے بڑھتے والوں کے پڑے بے سر و پا  
 بڑھی تھی کہیں ' ہاتھ کہیں اور کہیں پہنچتا  
 تھا نہر ناک موج زن اک خون کا دریا  
 بہتے تھے حجابوں کی طرح سے سر اعدا  
 دہشت سے تلام تھا ہر اک فوج عدو میں  
 منچلی سے توپتے تھے زرہ پوش لہو میں  
 چلاتے تھے اعدا: کوئی ہلتی نہیں تدبیر  
 دم بلند میں ' ماریں کسے تلوار ' کسے تھیر  
 جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر  
 پھر جانی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر  
 کہا ہوٹا نے دھالوں کی جو بدلی سی جھکی ہے  
 بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے رکی ہے  
 بیکار تھے جلاؤں کے نیڑے دم پیکار  
 تلوار سے ہلتی نہ تھی [۲] مہلت کہ چلے وار  
 حلقہ کیے اُس شیر کے درپے تھے کماندار  
 چلے سے مگر جس نے ملایا لب سوار

[۱]—دل ( چھپاتے ) ۔

[۲]—نک ( تھی نہ ) ۔

شہباز سا سر پر فرس ٹھوڑ قدم تھا  
نکلا بھی [۱] نہ تھا تیر ' کہاں سے کہ قلم تھا

### حز کی جنگ

کئی حملے کیے پیہم چو کمانداروں پر  
چل گئے تیر ملامت کے جنگ' کاروں [۲]  
چٹنگیاں سب کی دھڑی رہ گلیں سو فاروں پر  
دخ پھرا تھا کہ کڑی برق ستمکاروں پر  
جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا  
کشہکش مہوں کھڑے چھپلے کو بھی گوشہ نہ ملا  
فیروز فوج ستمگار تھے دیکھتے بھال  
دم میں اُس شہر نیوستان نے قلم کو ڈالے  
گرچہ تھے جہاں اڑائے ہوئے اڑے والے  
آفت مرگ کو سر سے دوئی کھوں کو ڈالے  
جب سواروں کے پہرے جنگ پہ تل چائے تھے  
بلد سب ' ناخن شمشور سے ' کھائے جاتے تھے  
الف گرز کو لکر دیتے تھے [۳] ہر ضرب مہوں دال  
تھی نئی آمد و رفت اور نئی طبع کی چال  
کبھی ہرچھی کی انی تھی ' تو کبھی تیر کی بھال  
کبھی تلوار ' کبھی خنجر برآں ' کبھی [۴] ڈھال  
ضرب کو روک کے دشمن کو فلما کرتی تھی  
دبدم فوج ستمگر بھی ٹلنا کرتی تھی  
شور تھا ' آگ تھی تلوار مہوں یا پانی تھی  
جل بھجے [۵] کشتی تن خون مہوں طوفانی تھی

[۱]—نل (ہی) - [۲]—ر سے "روح ایس" مراد ہے - (خدا کاروں) -

[۳]—ر (کردیتی تھی) - [۴]—ر (تھپتی کی ہتھکے ہر جگہ پر "نہیں" ہے) -

[۵]—نل (بھجی) -

ضرب مہوں قوت ہے ' یہ زور مہوں لائانی ہے  
 کہتا تھا حر: یہ فقط قوت ایمانی ہے  
 زور تھا منجھ مہوں نہ ایسا ' نہ وفا کی طاقت  
 سب ہے یہ سہط ہومبر کی دما کی طاقت  
 کہ کے یہ ' فوج مہوں پھر تشلہ چکر دوب گیا  
 ورطہ قلزم آت مہوں گھر دوب گیا  
 لشکر شام کے بنداں مہوں قمر دوب گیا  
 کشمکش تھی کہ ہرق مہوں گلی تر دوب گیا  
 تیا کبھی شہر سا بیدہوا ہوا شمشیروں مہوں  
 کبھی نہروں کے نیوستان مہوں ' کبھی تہروں مہوں

حضرت عباس کی جنگ

فرما کے یہ تلوار کو صندر نے نکالا  
 ہمالوں کو اُدھر بڑھ کے سواروں نے سلجھایا  
 اس شان سے غازی صف چمکا دیا  
 غل تیا کہ اسد لشکر روپاہ مہوں آیا  
 دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اکبار  
 عالم کو قیامت کے نظر آگئے آثار  
 ہلے لگے اشجار لرزے لگے کہسار  
 صحرا سے گریزاں ہوئے اڈر طرف غار  
 جن کہتے تھے: خالق ہمیں اس آن بچائے  
 چٹائی تہیں پریاں کہ خدا جان بچائے

جس صف پہ چلی تیغ وہ بے سر نظر آئی  
 دیتی یہ ہراک لاش توپ کر [ا] نظر آئی  
 جب وار کھیا قوت حیدر نظر آئی  
 کہ تلگ کے نیچے ' کبھی سر پر نظر آئی  
 غل ہوتا تھا ' کرتی تھی دوپارا جو سپر کو:  
 دو کردیا انگشت سے احمد نے قمر کو  
 توہوں کونہاموں سے نکالے نہیں دیتی  
 اس فوج کا ایک وار بھی چلے نہیں دیتی  
 گھوڑوں پہ سواروں کو سا بھالے نہیں دیتی  
 انداز لڑائی کا بدلے نہیں دیتی  
 تلوار نہیں برق اجل ہم پہ جھکی ہے  
 دھالوں سے کہیں مرگِ مفاجات رکی ہے

مغفر کو جو کٹا تو جبوں سے نکل آئی      سر پر جو پڑی خانہ زیب سے نکل آئی  
 بچلی سی صف لشکر کوں سے نکل آئی      گہ قریب گئی گاہ زمیں سے نکل آئی  
 فل تھا کہ محجب کہا جو سپر سے نہیں دگتی  
 یہ ضرب تو جبریل کے پر سے نہیں دگتی

سولہ مہوں در آئی تو نئی چال سے نکلی      پہلچہ کو قلم کرتی ہوئی قہال سے نکلی  
 قویٰ جو زرہ مہوں تو عجب حال سے نکلی      مچھلی سی تو پتی ہوئی اک جہال سے نکلی  
 چار اٹلے کو اٹھ کہا کات نے اُس کے  
 بچہ دی ہر اک کشمعی تن گھات نے اُس کے

حضرت عباس پائو لے کر آتے ہیں

لوتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا      بادل کو ہٹا کر وہ انور نکل آیا  
 سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا      دریائے شجاعت کا شہزاد نکل آیا  
 در سے کسی رویا نے ضیغم کو نہ روکا !  
 تلوار اٹھا کر کہا : کہوں ہم کو نہ روکا ؟

حضرت عباس کا سر پڑا

چند دن تو قہارست کی ہے تہور عہوں غضب کے  
 اک حملے مہں سر تن سے اُتر جائیں گے سب کے  
 فرزند ہیں یہ فتخر شجاعان عرب کے  
 شہر ان کے ہی تہور سے نکل جانا ہے دب کے  
 بچے کبھی اس گہر کے نہوں دن سے ٹلے [۱] عہوں  
 یہ سب اسد اللہ کے بوشے مہں پلے عہوں

ہر شہر مہں پھشانی انور کا ہے شہرا

سجدے کا نشان ہیں ہے تکلف ہے یہ دھرا

گویا ورق مہا یہ ہے مہر کا مہرا

دیکھو سر خورشید پہ طالع ہوا زہرا

اِس طرح کا اختر کوئی دنیا میں نہ دیکھا  
 موسیٰ نے یہ جلوہ دیدیضا میں نہ دیکھا  
 غصے سے جو تیوری کو چرہائے ہے یہ جرّار  
 گویا کہ میں دو ناخن شہر ابروے خمدار  
 بے جنگ ہوئی جاتی ہے گھائل صف کُفار  
 ہل جاتی [۱] میں جس وقت تو چل جاتی ہے تلوار  
 اِس طرح کا صند کوئی بستی میں نہیں ہے  
 یہ کلت کبھی توغ دو دستی میں نہیں ہے  
 گردوں پہ مہ نو کا یہ عالم نہیں دیکھا  
 شمشیر ہلالی میں یہ دم ختم نہیں دیکھا  
 دونوں میں کبھی فاصلہ اک دم نہیں دیکھا  
 یوں ربط کمانوں میں بھی باہم نہیں دیکھا  
 اک ہیئت کے یہ مصرع برجستہ ہیں دونوں  
 ظاہر میں کشیدہ ہیں یہ دلہستہ ہیں دونوں  
 کچھ مہ نو ان کو تو یہ رو نہیں اُس میں  
 مہتاب کہیں رخ کو تو گیسو نہیں اُس میں  
 ہے اک گل خورشید سو خوشبو نہیں اُس میں  
 آنکھوں نہیں پلکیں نہیں ابرو نہیں اُس میں  
 بو ہے گل تر میں یہ خط و خال کہاں ہے  
 قد سرو کا موزوں ہے تو وہ چال کہاں ہے

خط ہے جو شب قدر تو رخ صبح ارم ہے  
 کیا قدرت حق ہے کہ شب و روز بہم ہے  
 توصیف میں عاجز دم تحریر قلم ہے  
 دیکھو خط ریکال ورق زر یہ رقم ہے  
 پہلو میں ستھر کو شب دیدور لیے ہے  
 ظلمات کو آغوش میں یا حور لیے ہے



یہ حسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا  
 یہ روئے دل افروز قمر نے نہیں پایا  
 رنگ لب نازک گل تر نے نہیں پایا  
 نور اس دُر دندان کا گہر نے نہیں پایا  
 باہم تو ہیں ' دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں  
 وہ لعل کے تکرے ہیں یہ الماس کے نگ ہیں

امام حسین علیہ السلام کا سراپا

ایک شور تھا کہ آج زمیں ' آسمان ہے      صغیرے کربلا نہیں ' دنیا کی چٹان ہے  
 اُترا زمیں پہ چاند یہ خالق کی شان ہے      رضوان نے دی صدا کہ خدا مہربان ہے  
 پرتو ہے یہ رخ خلفِ بسو تراب کا  
 دیکھو ' اُلت گہا ہے ورقِ آفتاب کا  
 نقشِ سم فرس کی ضیا پر کرو خیال      اختر گہیں ہے ' بدر گہیں ہے ' کہیں ہلال  
 ہے دوپہر کے بعد سدا شمس کو زوال      یان ہے وہی عروج ' زہے حشمت و جلال  
 پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر  
 گھوڑے پہ آپ نہیں کہ تجلی ہے طور پر  
 اُٹھتے جبیں سے صفا آشکار ہے      ابرو سے مارِ رخ کی [۱] ضیا آشکار ہے  
 چشمِ گہر فشاں سے حیا آشکار ہے      رخ سے جلالِ شہر خدا آشکار ہے  
 رستم بھی چڑھ سکے گا نہ ملے پر دایر کے  
 چہرہ تو حور کا ہے پہ گہر میں شیر کے  
 نور جبیں نے جاوے قدرت دکھا دیا      چہرے نے حسنِ صبحِ صباحت دکھا دیا  
 ابرو نے رنگ تیغِ شجاعت دکھا دیا      قامت نے سب کو طورِ قیامت دکھا دیا  
 جلالِ گل کو بوئے کوچہ گھسو بسا گلی '       
 کھڑوں سے نکھت گلِ فردوس آ گئی  
 ابرو نہیں ہے [۲] چشمِ مروت نہاد پر      نون لکہ دیا ہے صانعِ قدرت نے صا پر  
 دید [۳] فرضِ عین ہے خواہشِ اعتقاد پر      قربان ہے صبح و شام بواض و سوا پر  
 سادہ نگیں حدید [۳] کا دُرِ نبتہ میں ہے :  
 پتلی نہ چاندو ' دُرِ مکملوں صدف میں ہے

حضرت علی اکبر کی جنگ

ہل چل تھی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے  
 ڈھالیں تو دھیں ہاتھوں میں ' سر اڑ گئے تن سے  
 طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے  
 آگے تھا ہرن شیر سے ' اور شیر ہرن سے  
 غل تھا : یہ جری مثل ید اللہ لڑے گا  
 تر ہو گئی زمیں خوں سے وہ دن آج پڑے گا [۱]  
 تلوار تھی جرار کی ' یا قہر خدا تھی :  
 سر تھا تو الگ تھا ' جو کمر تھی تو جدا تھی  
 بچلی جو ادھر تھی ' تو ادھر سیل فدا تھی ؛  
 تلوار تھی یوں ' سر پہ جب آئی تو قضا تھی  
 بے سر ہوئی وہ صف جو نظر چڑھ گئی اُس کی  
 چائتا جو لہو اور برہں بڑھ گئی اُس کی  
 جس صف پہ چلی خون میں غلطاں کیا اُس کو  
 مجتمع تھا جدھر ' دم میں پریشاں کیا اُس کو  
 جو آگے بڑھا غول سے ' بے جاں کیا اُس کو  
 بخشی جسے جاں بندۂ احسان کیا اُس کو  
 بے سر تھا ' ازل سے تھی خطا اصل میں جس کی  
 مارا اُسے ' دیدار نہ تھا نسل میں جس کی  
 کیا ہاتھ تھا ' کیا تیغ تھی ' کیا ہمت عالی :  
 دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی  
 جب چھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی  
 بچلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی  
 ملتا تھا نشاں دن میں صفوں کا نہ پروں کا  
 تھا شور کہ میدان آج پرستیا ہے سروں کا  
 کیا حرب تھی قربان جگر گوشہ شہید  
 نکلا جو کماں سے تو قلم ہو کے گدرا تیر

آیا جو کہاں لے کے گدھوں سے کوئی ہے پھر  
 گوشہ تھا ، نہ چلے تھا ، نہ حلقہ تھا ، نہ زہ گھر  
 جو وار تھا صفدر کا خدائی سے جدا تھا  
 قبضے سے کہاں ، ہاتھ کلائی سے جدا تھا

کٹ کٹ کے ہر اک ضرب میں سر گرتے تھے سر پر  
 برچھی پہ نہ پھل تھا ، نہ کوئی پھول سپر پر  
 پھر جاتی تھی گردن پہ کبھی ، گڑ جگر پر  
 مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر  
 نکلی جو کمر سے تو چلی خانہ زین پر  
 زین سے تھی جو [۱] مرکب میں تو مرکب سے زمیں پر

بدلی کی طرح شام کی جب فوج گھر آئی  
 پھر تھغ نے بجلی صفِ اعدا پہ کرائی  
 دعویٰ تھا مگر بھول گئی [۲] ہرزہ در آئی  
 چلاتی تھی [۳] پٹائی نہ وہ خونخوار پھر آئی  
 ہر ہزار ہے موجود تو ہر ہزار نہیں ہے  
 یہ مرگ مشاجرات ہے تلوار نہیں ہے

لڑنے جو ہوا بول کوئی بول کے آیا  
 یہ شور بھی شمشیر دو دم نوا کے آیا  
 شہباز اجل صمد پہ پر کھول کے آیا  
 اڑتا ہوا سدر بیچ مہوں اُس غول کے آیا  
 حق جس کی طرف ہے وہ ازبر دست رہا ہے  
 سچ ہے کہ بڑے ہوا کا سر دست رہا ہے

سوسو کو ہر [۴] اک ضرب میں کتے نہیں دیکھا  
 یوں غوطہ میں شیروں کو چھپتے نہیں دیکھا  
 بڑھ کر کبھی جرار کو کتے نہیں دیکھا  
 گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہیں دیکھا

[۱]—ٹک (مٹی) - [۲]—ن (بھول گئے) - [۳]—ن (چلتے تھے) - [۴]—ن (کا -) -

جب ہاتھ اُٹھا ' برچھڑوں تھراتا [۱] ہے گھوڑا  
پتلی کے اشارے کو سمجھ جاتا ہے گھوڑا

حریف سے خطاب

اکبر نے صدا دی کہ تھہر سامنے آ کر  
کہوں ملکہ کو چھپاتا ہے سپر چہرے پہ لا کر  
مردانہ دکھا وار حریفانہ وغا [۲] کر  
دیکھ ' اپنے رسالے کے جوانوں سے حیا کر  
ناداں ہے تمیز حق و باطل نہیں رکھتا  
تو ایسے [۳] تین و توش پہ کچھ دل نہیں رکھتا  
یہ خوف ' کہیں جان نہ گھبرا کے نکل جائے  
بودا ہے جو لڑنے کی جگہ پا کے نکل جائے  
ایسا نہ ہو تلوار کوئی کہا کے نکل جائے  
پنچے سے نہ شہزادوں کے شکار آ کے نکل جائے  
یکجہا صفت سایہ آہو نہیں تھمتا  
سوماب تھہر جانا ہے پر تو نہیں تھمتا  
تجہ سا نو جوان لشکر بدخو میں نہیں ہے  
ہاں ' زور شجاعت ترے بازو میں نہیں ہے  
گھوڑا ہے یہ چالاک پہ قابو میں نہیں ہے  
فوجیں ہیں اُدھر یاں کوئی پہلو میں نہیں ہے  
ہم ایک ہیں جانباز کہ فوجوں سے لڑے ہیں  
کہا تجھ کو کہیں گے ' جو صفیں باندھے کھڑے ہیں  
نڈرے کے ہلانے میں بھی تو زور کو ہارا  
کیوں؟ میں نے کہاں چھین لی اور تیر تمہارا  
اک ضرب پڑی [۴] تھی ' کہ ہوا گرز دو پارا  
لڑنے پہ تیرا ہے ترا او ستم آرا  
آ تیغ جوانان خوش اقبال کے اوپر [۵]  
چہرے کو چھپاتا ہے جھلم ڈال کے ملکہ پر

[۱] —ن (پہر آتا) - [۲] —ڈل (وفا) - [۳] —ن (انڈے) - [۴] —ن (تیر) - [۵] —ن (منہ پر) -

حریف کا حملہ

یہ سن کے بڑے فہیظ و غضب میں [۱] وہ بل آیا  
اکبر نے کہا آ ' کہ مقام اجل آیا ؛  
بارے شجر جرأت و ہمت میں پھل آیا ؛  
بس روک لے پودا ؛ کہ فرس ملہ کے بل آیا ؛  
یہ پھولنے پھلنے کی مگر فصل نہیں ہے  
گر پڑتا ہے جلدی ' تری کچھ اصل نہیں ہے  
تلواریں کھینچیں برجہاں چمکیں علم اُٹھے  
گھوڑوں کے [۲] تگ و پو میں برابر قدم اُٹھے  
نظارے کو [۳] گردوں پہ ملائک بہم اُٹھے  
گر گر کے ادھر خاک پہ شاہ اُسم اُٹھے  
اکبر جو مقابل ہوئے اُس ضال و مضل کے  
شہر قریب آ گئے بوہت۔ بابی دل نے

حضرت علی ابن نوح میں کہتے ہیں

تسلیم کی اور اسمپ صبا دم کو آزاد کر  
یاں بیٹھ گئے تھام کے دل سبط پیسجور  
تدروں کی جو بوچھاڑ ہوئی چوہن گدا سید  
روزن ہوئے اتلے کہ زرد بن گدا سید  
تکڑے ہوئے تھغوں سے ' یہ ہمت کونہارے  
صحترا میں کبھی تھے کبھی دریا کے کنارے  
روئے [۴] نہ پدر ' قتل ہو انخت چنگر ایسا ؛  
باپ ایسا ہو صابر ' تو جری ہو پسر ایسا

حضرت علی اکبر زخمی ہوتے ہیں

اوتے تھے کہ پدشانی انور پہ لگا تیر  
سب خوں سے بھری احمد مختار کی نصیر

[۱]—ن (ے) [۲]—ن (ئی) [۳]—نل (نثاروں پہ) [۴]—نل (ن (زورے) ۔

لکھا ہے کہ میں مہیں تھا کوئی ظالم بے پھر  
 برچھی جو لگی سہلے مہیں ، حالت ہوئی تغیر  
 اللہ دے [۱] شجاعت ، کہ نہ ابرو پہ ہل آیا  
 پھل اُس نے جو کھینچا تو کلہا نکل آیا

تکڑے جو بہے خوں کے تریڑوں مہیں جگر کے  
 غش ہو گئے سر گردن دھوار پہ دھر کے  
 نزدیک سے پھر وار چلے توغ و تیر کے  
 سب پسلیاں کت کت گئیں ، تکڑے ہوئے سر کے  
 تلواریں تھیں ، یا آپ تھ ، یا سر پہ خدا تھا  
 جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہنچوں سے جدا تھا

حضرت علی اکبر خاک پر زخمی پڑے ہیں

اتھارواں یہ سال ، یہ غربت ، یہ جوانی ؛  
 یہ شان ، یہ اقبال ، یہ شوکت ، یہ جوانی ؛  
 دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت ، یہ جوانی ؛  
 یوں خاک ہوئی ، ہائے ، یہ صروت ، یہ جوانی ؛  
 کس درجہ مشابہ تھے رسول عربی سے ؟  
 گویا کہ حسون آج بچھونا ہے نبی سے  
 لے آئی جو بیتابی دل لاش پسر پر ،  
 جھکے مہیں ، نظر پہلے پڑی زخم جگر پر  
 اک تیر لٹا قلب شہ جن و بشر پر  
 سیٹے پہ کبھی ہاتھ کو مارا ، کبھی سر پر  
 اوپر کے دم اُس شہر کو پھرتے ہوئے دیکھا ،  
 بابا نے جوان پھرتے کو مرتے ہوئے دیکھا  
 ہونٹوں پہ زباں ، رخ پہ عرق ، خاک پہ گیسو ،  
 پتھرائی ہوئی آنکھ ، کتے [۲] تیغوں سے ابرو

گردن تو کیج اور حلق یہ اک تیر سے پہلو  
 چہرے پہ لہو گلوں پہ دھلکے ہوئے آنسو  
 یہ زیر لب آواز کہ آقا نہیں آئے  
 نزدیک اجل آگئی، بابا نہیں آئے  
 اے درد جگر، تم کہ شہ بکرو بر آہیں  
 اے جان، نہ گھبرا، شہ جن و بشر آہیں  
 اے روح، توقف، شہ والاِ دُعا آہیں  
 اے موت، تھہر جا، پدر آہیں پدر آہیں :  
 ارمانِ دل زار پسر ہوش میں نکلے  
 حسرت ہے کہ دمِ باپ کے آغوش میں، نکلے  
 چلائے شہ دیں، علی اکبر، پدر آیا  
 اٹھو مرے پیارے، مرے دلبر، پدر آیا  
 تم تھوڑے تھوڑے تھے، اے مہ انور، پدر آیا  
 نا شاہ پدر، بیکس و بے پدر پدر آیا  
 کچھ دل کی کہو، بات کرو، ہوش میں آؤ  
 صدقے پدر، آؤ، مرے آغوش میں آؤ  
 ملہ کھولے ہو کہوں؟ تیر کو گردن سے نکالوں؟  
 گر درد نہ ہو، ہاتھوں کو بازو سے سلجھالوں  
 گرتا ہے پہاڑ اس کو میں کس طرح سے تالوں  
 مرنے آئے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں  
 بہ بہ کے لہو میں جگر آنا ہے تمہارا  
 سہلے سے کلہجیا نظر آتا ہے تمہارا

#### منظر

وہ سرخی شفیق کی ادھر چرخ پر بہار، وہ بارور درخت، وہ صحرا، وہ سبز زار  
 شبنم کے وہ گلوں پہ کھوٹے آیدار، پھولوں سے سب بہرا ہوا دامن کوہسار  
 نائے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شمیم کے  
 آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشت کربلا کی زمیں رشک آسماں      تھا دور دور تک شب مہتاب کا سہماں  
 چھٹکے ہوئے ستاروں کا ذروں پہ تھا کساں      نہر فدرات پہیچ میں تھی مثل کہکشاں  
 سر سبز جو درخت تھا وہ نخل طور تھا  
 صحرانے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا  
 وہ سر بلند خدمت زنگاری امام      جس میں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام  
 کم تھا نہ اس کا خانہ کعبہ سے احترام      قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام  
 جلوہ تھا اُس میں بُرج امامت کے ماہ کا  
 دریاں تھا جبرئیل اُسی پارگاہ کا

## صبح

طے کرچکا جو منزل شب کاروان صبح      ہوئے لگا اتق سے ہویدا نشان صبح  
 گردوں سے کوچ کرنے لگے اختران صبح      ہر سو ہوئی بلند صدائے اذان صبح  
 پذیرا نظر سے روے شب تار ہو گیا  
 عالم تمام مطالع انوار ہو گیا  
 خورشید نے جو رخ سے اُٹھایا [۱] نقاب شب      در کھل گیا سحر کا ہوا بلند باب شب  
 انجم کی فرد فرد سے لے کر حساب شب      دفتر کشائے صبح نے 'الغی کتاب شب  
 گردوں پہ رنگ چہرہ مہتاب فقی ہوا  
 سلطان غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا  
 پہنچا جو مہر مہر سے فرمان عزل شب      گردوں پہ عاملان سحر کا ہوا نصب  
 ملشی آسماں مع دفتر ہوا طلب      بس جا بجا سے اُٹھ گئی انجم کی فوج سب [۲]  
 تا صبح فرد فرد میں بھگانگی ہوئی  
 برخاست کی 'چراغوں کو [۳] پروانگی ہوئی  
 یوں گلشن فلک سے ستارے ہوئے رواں      چن لے چمن سے پھولونکو جس طرح باغبان  
 اُنی بہار میں گل مہتاب پر خزاں      مرجھا کے گرد گئے [۴] ثمر و شاخ کہکشاں  
 دکھلائے طور باد سحر نے سموم کے  
 پڑ مردہ ہو کے وہ گئے غلچے نجوم کے

[۱] - ن (اٹھائی) - [۲] - ن (اب) - [۳] - نل (ی) - [۴] - ن (مرگئے) -



چھوٹا وہ مانتاب کا ' وہ صبح کا ظہور یاد خدا میں زمزمہ پڑاؤی ظہور  
وہ رونق اور وہ سرد ہوا ' وہ فضا ' وہ نور خلعتی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سوز  
انسان زمین پر مکتو ' ملک آسمان پر :  
جاری تھا ' ذکر قدرت حق ' ہر زبان پر

وہ صبح اور وہ چھانو ستاروں کی اور وہ نور دیکھتے تو غش کبے ارنی گوے اوج طور  
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور وہ چا بجا درختوں پہ نسیم خواں طور  
گلشن خجیل تھے وادی مہلو اساس سے  
جلگن تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے  
تھلکی ہوا میں سبز صبرا کی وہ لہک شرمائے جس سے اطلس رنگاری فلک  
وہ چھوٹا درختوں کا ' پھولوں کی وہ مہک ہر برگ ایل پہ قطرہ شہلم کی وہ جھلک  
ہیرے خجیل تھے گھر پکتا نثار تھے  
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نثار تھے

وہ نور ' اور وہ دشت سپانا سا ' وہ فضا ' کراچ و کبک و تپہ و طائوس کی صدا  
وہ جوش گل ' وہ نالہ مرقان خوشلوا ' سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا  
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے  
تھالے بھی نخل کے سید گل فروش تھے  
وہ دشت وہ نسیم کے چہونکے ' وہ سبززار پھولوں پہ چا بجا وہ گھر ہائے آباد  
آٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار بالائے نخل ایک چو بلبل تو گل ہزار  
خواہاں تھے زہر [۱] گلشن زہرا جو آب کے  
شہلم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے  
وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم کو کو کا شور نالہ حق سرے کی دعوم  
سبستان رہنا کی صدا نبی علی العموم جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم  
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے رب علا کی مدح [۲]  
ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح [۳]

عالم

کیولا جو پھر ہرے کو علمدار چربی نے لوتے گل فروش نسیم سحری نے

ناروں کو اُتارا فلک نیلوفری نے پرچم جو کھلا ' کھول دیے بال پوری نے  
 عیسیٰ نے پکارا کہ نثار اُس کے حشم کے  
 خورشید نے منہ رکھ دیا پہنچے یہ عالم کے

### قلوار

افلاک پہ چمکی کبھی ' سر پر کبھی آئی کوندی کبھی جوشن پہ ' سپر پر کبھی آئی  
 کہ پڑگئی سیلے پہ ' جگر پر کبھی آئی تڑپی کبھی پہلو پہ ' کمر پر کبھی آئی  
 طے کر کے پھری ' کون سا قصہ تھا فرس کا  
 باقی تھا جو کچھ کات ' وہ حصہ تھا فرس کا

بے پائو جندھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی ندی اُدھر اک خوں کی اُبلتی ہوئی آئی  
 دم پور میں وہ سورنگ بدلتی ہوئی آئی پی پی کے لہو لعل اُکلتی ہوئی آئی  
 ہیرا تھا بدن ' رنگ زمرہ سے ہرا تھا  
 جوہر نہ [۱] کہو ' پھٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دم جنگ پریوش اُسے کہنا معشوق بلی سرخ لباس اُس نے جو پہنا  
 اِس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا جواہر تھے کہ پہننے تھی دالہن پھولوں کا گہنا  
 سبب چمن خلد کی بو لباس تھی پھل میں  
 دھتی تھی وہ شجر سے دولہا کی بٹل میں

سر پہننے تو موج اُسکی روانی کو نہ پہنچے قلم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے  
 بجلی کی تڑپ شعلہ فشانہ کو نہ پہنچے خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہنچے  
 دوزخ کے زبانوں سے بھی آنچ اُس کی بری تھی  
 برچھی تھی ' کتاری تھی ' سروھی تھی ' چھری تھی

موجود بھی ' ہر قول میں اور سب سے جدا بھی دم خم بھی ' لگاوت بھی ' صفائی بھی ' ادب بھی  
 اک گہات پہ تھی ' آگ بھی ' پانی بھی ' ہوا بھی اسرت بھی ' ہلاہل بھی ' مسوکتا بھی ' قضا بھی  
 کیا صاحب جوہر تھی ہجرت ظرف تھا اُس کا  
 موقع تھا چہاں جس کا وہیں صرف تھا اُس کا

تھروں پہ گئی برجھووں والوں کی طرف سے  
 چاہیے کمانداروں پہ بھالوں کی طرف سے  
 پھر آئی سواروں پہ رسالوں کی طرف سے  
 ملے تھغوں کی جانب کھڑا ڈھالوں کی طرف سے  
 بس سوکھا دفتر نظری تمام و نسب کا  
 لاکھوں تھے تو کیا ' دیکھ لیا جائزہ سب کا  
 پہنچے جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا  
 ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا  
 شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا  
 تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا  
 اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے  
 قینچی سی زباں چلتی تھی ' فقرے تھے غصہ کے  
 چار آئلے والوں کو نہ تھا جگ سے چارا [۱]  
 چو رنگ تھے سیلے تو کلیجہا تھا دو پارا  
 کہتے تھے زرہ پوہں ' نہیں جگ کا یارا  
 بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان ڈوبارا  
 جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے  
 اِس کی نہ خبر تھی کہ یہی دام اجل ہے  
 تو در کے قد راست سنانوں نے جھکائے  
 دب دب کے سر عجز کمانوں نے جھکائے  
 ہت ہت کے علم دن میں جوانوں نے جھکائے  
 سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے  
 غل تھا کہ پناہ اب ہمیں ' یا شاہ زماں ' دو  
 پھیلے تھے دامن کو پھرہرے کہ اماں دو

بجلی سی کوند کر صفا اعدا پہ جب گری  
 ہر سمت غل ہوا کہ وہ برق غضب گری

بھدم تھا ' جس پہ تیغ شہ تشدد لب گری  
 کھلتا نہ تھا ' کب اٹھ گئی اور سر پہ کب گری  
 چل پھر سے اُس کی فوج ستم دردناک تھی  
 گردن پہ تھی کبھی ' تو کبھی زور خاک تھی  
 دو لاکھ پر وہ تیغ پرستی چلی گئی  
 ناگن کی طرح فوج کو تستی چلی گئی  
 بجلی سی دونوں باگوں پہ کستی چلی گئی  
 دم مہن چلا کے خرمین ہستی چلی گئی  
 زخموں کو اُس نے آتش سوزاں بنا دیا  
 ہر نخل قد کو سرو چراغاں بنا دیا  
 اُس تیغ کی برش سے زبردست ' زیر تھے  
 روپاہ بن گئے تھے وہ ' دل جن کے شیر تھے  
 گوشوں میں چھپتے پھرتے تھے جتلمے دایر تھے  
 تودے تھے سرکشوں کے ' کسانوں کے تھیر تھے  
 غل تھا کہ اے نبی کے نواسے پلہا دے  
 اے دو شہباز روز کے پلہا دے

آفت تھی ' قیامت تھی ' چھلوا تھی ' بلا تھی  
 بجلی تھی ' کٹاری تھی ' قرولی تھی ' قضا تھی  
 روکے کوئی کیا ' باز نہ تھی ' سیل فدا تھی  
 پیشہ تھا وہ ظالم کہ اہو جس کی غذا تھی  
 بجلی کو بھی قریبا دیا تھا جارہ گری نے  
 تاب اُس کی نہ تھی ' مانگ نکالی تھی پری نے  
 کٹ جاتے تھے منہ دیکھ کے سب تیغ زن ' اُس کا  
 قیامت میں کبھی ' چال میں وہ بانہن اُس کا  
 تاریک زمیں اور وہ تاباں بدن اُس کا  
 چلتی تھی سروں پر یہ نہیا تھا چلن اُس کا  
 ہے صاحب جوہر کا محل ' چرخ بریں پر  
 رکھا ہے مسہ نو نے کبھی پانو زمیں پر

فل تھا یہ کسی تھغ مہوں چم خم نہوں دیکھا  
 بچلی کی توپ کا بھی یہ عالم نہوں دیکھا  
 لشکر کا لہو پی گئی یہ دم نہوں دیکھا  
 ایسا کسی ناگن میں کبھی سم نہوں دیکھا  
 پھر کیا ہے جو اللہ کا یہ قہر نہوں ہے  
 اس تھغ کے کاٹے میں کہیں لہر نہیں ہے

جلاہ امام کی تلوار

کہا کیا چمک دکھائی تھی سر کات کات کے  
 تلعتی تھی کہا تلوں سے زموں پات پات کے  
 پانی وہ خود پیے ہوئے تھی گھات گھات کے  
 دم اور بڑھ گیا تھا لہو چات چات کے  
 کہا جانے ملا تھا مزا کہا زبان کو  
 کہا جانی تھی ہما کی طرح استخوان کو  
 ہر ہاتھ مہوں آزا کے کلائی نکل گئی  
 کوندی، گری، زموں مہوں سمائی، نکل گئی  
 گائی زرہ، دکھا کے صفائی نکل گئی  
 مچھلی تھی اک کہ دام میں آئی نکل گئی  
 چار آئلے کے پار تھی اس آب و تاب سے  
 جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

وقت دفعا عصا تھی کبھی، اڑدھا کبھی؛  
 تلوار بن گئی وہ کبھی، اور قضا کبھی  
 بچلی کبھی تھی، ابر کبھی اور ہوا کبھی  
 بلعتی تھی نفی کفر کے خاطر بلا کبھی  
 پھرتے تھے جب حسین پیادوں کو رول کر  
 کہا اہتی تھی سروں کو دھن کھول کھول کر  
 اللہ کے غضب کی نشانی دکھا گئی  
 دریائے قہر حق کی روانی دکھا گئی

جل جل گئے وہ شعلہ فشانہ دکھا گئی  
 کت کت گئے وہ سوفا ڈبانی دکھا گئی  
 لب صورت شکاف قدم، بند کر دیے  
 فقروں نے ذوالفقار کے، دم بند کر دیے  
 پہنچنی سم فرس پہ، جو بالائے سر گری  
 چمکی ادھر زمیں سے نکل کر، ادھر گری  
 ناری جلے ادھر، وہ جدھر کوند کر گری  
 جس صفائے لگ [۱] چلی یہ، وہ صفا خاک پر گری  
 دکھلا کے اوج جاتی تھی یوں ہر سوار پر  
 جملہ میں باز کرتا ہے جیسے شکار پر

#### سواری

میدان میں جب سواری شاہ امم چلی  
 کس شان سے جلو میں سپاہ حشم چلی  
 فتح و ظفر ادب سے قدم با قدم چلی  
 بدلی ہو، نسیم ریاض ارم چلی  
 سرتاج عرش تھا جو مکیں، صدر زمین پر  
 قدسی پروں کو فرش گئے تھے زمین پر  
 جوں جوں قدم بڑھاتا تھا سرور کا خوشخبرام  
 ملتے تھے نقش سم سے زمیں پر مہ تمام  
 تھا ارض کر بلائے معلیٰ کا یہ کلام  
 گو فرش تھی یہ اب میں ہوئی ہر شام  
 ذروں کا اس زمین کے فلک پر دماغ تھا  
 ہر سبز یزہ رشک دہ شب چراغ تھا  
 بچھٹی تھی ایک نور کی چادر جو نور دور  
 ہلستا تھا کہکشاں پہ، یہ چاند [۲] کو تھا غرور

ہنستے تھے روئے مہر پہ ' خوروں میں تھا یہ نور  
 ہر سنگریزہ کہتا تھا ' میں ہوں چراغِ طور  
 تھا یہ زمیں کا قول کہ علیہ سرشت ہوں  
 کہتی تھی گردِ نکہتِ باغِ بہشت ہوں  
 وہ صبح اور وہ جلوۂ خورشیدِ خاوری  
 وہ صاف صاف آئینۂ چرخِ اختری  
 وہ نور اور وہ شانِ جوانانِ حیدری  
 راکب ہر اک ملک تھا تو مرکب ہر اک پری  
 صدقے سواری شہِ گردوں رکاب کے  
 گویا ستارے جاتے تھے ساتھ آفتاب کے

#### گھوڑے کی تعریف

گھوڑے تھے چھلار: کبھی یاں تھے ' کبھی واں تھے  
 پتلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے  
 یاں تھے جو سبکرو تو اُدھر کرمِ عداں تھے  
 بھلی [۱] تھے کسی جا ' نو کہوں آبِ رواں تھے  
 ہو سکتی تھی بھلی [۲] سے یہ سرعت ' نہ ہرن سے  
 چھونکے تھے ہوا کے کہ نکل جاتے تھے سن سے  
 بے آب تھے دو دن سے یہ چانددار تھے گھوڑے  
 ہر مرتبہ اُڑ جاتے یہ طہار تھے گھوڑے  
 اُس پار کبھی تھے ' کبھی اُس پار تھے گھوڑے  
 نقطۂ تھی وہ سب فوج کہ پرکار تھے گھوڑے  
 دس بیس جو مرجاتے تھے تپوں سے کچل کے  
 بڑھ سکتا نہ تھا اک بھی [۳] احاطے سے اجل کے

سرعت وہ سسلیوں کی وہ چھل بل وہ طرارے  
 چھپتے تھے پہاڑوں میں ہرن شرم کے مارے

سُہم ایسے کہ قدموں پہ فلک ، بدر کو وارے  
جب نعل کھلیں چار ہلال اور اُتارے  
اُڑ جانے کو افلاک پہ طہار یہی تھے  
کھیلوں سے یہ ثابت ہے کہ سپار یہی تھے

ہلچل وہ اُن صفوں کی وہ گھوڑے کی جست و خیز  
تھا ترک و تاز میں کھیں صرصر سے تند و تیز  
صدقے گلدھے [۱] ایال پہ کپسورے مشک بوڑ  
گرد آوری میں ابر تو بھلی دم ستہڑ  
ذری قدم کے فہض سے سارے چمک گئے  
جب پتلیاں اُتھیں تو ستارے چمک گئے  
جرات میں رشک شور تو ہیکل میں پھلتن  
پوئی [۲] کے وقت کبک دری ، جست میں ہرن  
بھلی کسی جگہ ، تو کہیں ابر قطرہ زن  
بن بن کے آنے جانے میں طاؤس کا چلن  
سحاب تھا زمیں پہ فلک پر سحاب تھا  
دریا پہ موج تھا ، تو ہوا پر عتاب تھا  
آنکھیں وہ ، جن کو دیکھ کے حیران ہے غزال  
گردن وہ ، جس کی شرم سے ہے سر نگوں ہلال  
آہو کی جست ، شور کی چتون ، پری کی چال  
دل ، اُس کے دست و پائے حنائی سے پائمال  
ہر نعل پا کا حسن پہ تھا اُس چلوں میں  
اُٹیلے جس طرح سے ہو دست عروس میں  
کہوں اعتقاد میں حکمہا کے نہ آئے فراق  
اِشراقی ، اُس سے بھر تنکر میں سب ہیں غرق  
راکب گر اُس کو غرب سے درزائے سوے شرق  
اور آسمان سے ساتھ ہی چمکے نکل کے برق  
بھلی کی واں چمک نہ فلک پر تمام ہو  
یاں کب سے غرب میں فرس تھوڑ گام ہو



کل کی طرح اشارے میں سو بار پھیلاؤ  
 بجلی ہے ، جس طرف دم پھکار پھیلاؤ  
 کاوے میں شکل گنبدِ دوار پھیلاؤ  
 نقطے کے گرد صورتِ پسوکار پھیلاؤ  
 درزے بروے آب تو پتلی بھی تر نہ ہو  
 آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژدہ کو خبر نہ ہو  
 طاؤس سا جدھر گیا دم کو چنور کہے  
 دم میں پرے سپاہ کے زیر و زبر کہے  
 کچلے کبھی بدن ، کبھی پامال سر کہے  
 کشتوں کو روند روند کے سُم خوں میں تو کہے  
 میدان میں تھا کسی کو نہ یارا ستور کا  
 عالم ہو ایک نعل میں تھا تیغ تیز کا  
 زیبا ہے گر کہوں شعرا بادیا اُسے  
 آہستہ گر چلے تو نہ پائے ہوا اُسے  
 طائر جہاں کے جائتے ہیں سب ہما اُسے  
 مہموز و تازیانہ کی حاجت ہے کیا اُسے  
 فتراک گر ہوا سے کبھی اک زری آزی  
 یوں آڑ گیا کہ سب نے یہ جانا پری آزی

#### سفر

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں  
 راحت نہیں ملتی کوئی دم آتھ پھر میں  
 سو شغل ہوں پر دعبان لٹا رہتا ہے گھر میں  
 پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی ، نظر میں  
 سنگ فم فرقت دل نازک پہ گراں ہے  
 اندوہ غریب الوطنی کاٹھس جاں ہے  
 گو راہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زاد  
 جاتی نہیں افسردگی خاطر ناپاک

جب عالم تلہائی میں آقا ہے وطن یاد  
 ہر گام یہ دل مثل جرس کرتا ہے فریاد  
 اک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ہوتی  
 منزل یہ بھی آرام کی صورت نہیں ہوتی  
 ہمراہ سفر میں ہوں اکر حاسی و ناصر  
 منزل یہ کمر کھول کے سوتے ہیں مسافر  
 جب ہو سفر خوف و پریشانی خاطر  
 شب جاگتے ہی جاگتے ہو جانی ہے آخر  
 ہر طرح مسافر کے لئے رنج و تعب ہے  
 وہ جائے پس قافلہ تھک [۱] کر تو فضا ہے  
 دکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پانوں کے چھالے  
 منزل یہ پہنچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں لالے  
 ہانہوں سے اکر بیٹھ کے کانٹے کو نکالے  
 در ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے  
 واماندوں [۲] کے لیئے کو بھی آتا نہیں کوئی  
 تھک کر بھی جو بیٹھے تو اٹھانا نہیں کوئی  
 ہر دم دل نازک یہ مسافر کے ہیں یہ [۳]  
 تر رہتے ہیں اشکوں سے سدا دیدۂ پرُ نم  
 تھمتا ہی نہیں قافلۂ اشک کوئی دم  
 ہوتا ہے عجب صاحب اولاد کا عالم  
 بابا کو تو فرزندان سے چھٹلے کا الم ہے  
 والد سے چٹائی ہو تو بچوں پہ ستم ہے

بیٹے کا غم

یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے  
 موت آئے نہ لے جائے یہ دولت کسی گھر سے

اُٹھ جانا ہے چھلے کا مڑا مرگ پسر سے  
 جانا نہیں یہ داغ مرے [۱] پر بھی جگر سے  
 اس قم مہوں کرے صبر، نہیں دل یہ کسی کا؟  
 ہاں، سبط پیہر کا، حسین ابن علی کا

#### فرزند

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر  
 راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر  
 لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر  
 نکمہت کوئی بوے گل تر سے نہیں بہتر  
 صدموں میں علاج دل معجروح یہی ہے  
 دیکھاں ہے یہی دوح [۲] یہی دوح یہی ہے  
 ماں باپ کا دل غلجہ خنداں ہے اسی سے  
 وہ گل ہے کہ گھر رشک گلستاں ہے اسی سے  
 سب راحت و آرام کا سماں ہے اسی سے  
 آبادی کا شانہ انساں ہے اسی سے  
 کس طرح کہلے دل کہ جگر بلد نہیں ہے  
 گھر قہر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے  
 یہ وہ ہے عصا، پور جواں دھتا ہے جس سے  
 یہ وہ ہے نگین، نام و نشان دھتا ہے جس سے  
 وہ شمع ہے، پُر نور مکان دھتا ہے جس سے  
 وہ دُر ہے، قوی رشتہ جاں دھتا ہے جس سے  
 کھوتے نہیں یہ مال، زر و مال کے بدلے  
 موتی بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے  
 صولت یہی، شوکت یہی، اِجلاں یہی ہے؛  
 قروت یہی، حشمت یہی، اقبال یہی ہے

سرمایہ یہی ، نقد یہی ، مال یہی ہے ؛  
 گوہر یہی ، یاقوت یہی ، لال [۱] یہی ہے  
 دلیک ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے  
 کچھ پاس نہیں ، گر یہ رقم پاس نہیں ہے  
 ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے  
 تلخی میں بھی جینے کی طاقت ہے پسر سے  
 خوں جسم میں ، آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے  
 ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے  
 آرام جگر ، قوت دل ، راحت جاں ہے  
 پھری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے  
 وہ شے ہے ، خوشی در پہ کھڑی دھتی ہے جس سے  
 وہ چھن ہے ، راحت کی گھڑی دھتی ہے جس سے  
 وہ لال ہے امید بڑی دھتی ہے جس سے  
 وہ دُر ہے یہ دُر ، جان لڑی دھتی ہے جس سے  
 آرام جگر ، تاب و توان ساتھ ہے اس کے  
 پھرتا ہے جدھر ، رشتہ جاں ساتھ ہے اس کے  
 مالک سے بھرے گھر کے آجر جانے کو پوچھو  
 گھر والوں سے اس تفرقہ پر جانے کو پوچھو  
 ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو  
 یعقوب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو  
 اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا  
 بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

سلام

نمود و بود بشر کیا محیط عالم میں  
 ہوا کا جب کوئی چھوٹکا چلا ، حباب نہ تھا

کوئی انیس کونسی آئینا نہیں دکھتے  
 کسی کی آس ، بغیر از خدا نہیں دکھتے

۲

کسی کو کیا ہو، دلوں کی شکستگی کی خبر  
 کہ تو تلے میں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے  
 قلعہ است و گھر آبرو و دولت دیں  
 ہم اپنے کیسے خالی میں کیا نہیں رکھتے  
 ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر ملت خلق  
 وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے  
 فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے  
 کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے  
 فلک پہ شور تھا کتنا ہے خلق پاک رسول  
 حسین تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

ایک در پہ بیٹھ کر ہے توکل کریم پر  
 تکرار کیا ہے زندگی مستعار میں  
 مرشد چراغ داغ سے روشن رہے "انیس"

مثال بدر جو حاصل ہوا کمال مجھ  
 کمال شوق زیارت ہے اب کے سال مجھ  
 پرنگ سبز بیکانہ باغ دھر میں تھا  
 کسی کے سامنے کیوں جا کے ہاتھ پھلاؤں  
 پھوک پھوک کے سروں گا وہ نیم بسمل ہوں

مرا راز دل آشکارا نہیں  
 وہ گل ہوں چدا سب سے جسکا رنگ  
 گئے پہننے نعلین و ان مصطفیٰ  
 جہنم سے ہم بیداروں کو کیا  
 وہ دریا ہوں جس کا کنارہ نہیں  
 وہ ہو ہوں کہ جو آشکارا نہیں  
 فرشتے کا جس چا گزارا نہیں  
 جو آتش پہ تھہرے وہ پیارا نہیں  
 خیال چہرہ شہ وقت خواب رہتا ہے  
 تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے

غبار وہ کربلا ہو گئی  
 آہی، مجھ میں نہ تھی کچھ وفا  
 نہ گل میں صحبت نہ بلبل میں انس  
 مری خاک بھی کیسے ہو گئی  
 کہ دنیا میں سب بے وفا ہو گئی  
 آہی، یہ کیسی ہوا ہو گئی؟

رہا مدتوں ساتھ جس روح کا وہ دم بھر میں نا آشنا ہو گئی  
 گریباں مرا چہوڑ ' اے حرص دنیا ' مرے ہاتھ میں دامن پہنچتے ہیں  
 "انہس" اس قدر شور و بختی کا شکوہ یہ دولت ہے تھوڑی کہ شہریں سنیں ہے؟

آہی بکھس دے اپنے کرم سے مرے عصیاں کو  
 کہ میں ہوں بللڈا محتاج تو ہر شے پہ قادر ہے

دکھا دوں زمین نجف کی بللڈی؟ بہت آپ کو آسمان کھینچتے ہیں  
 زمین کے تلے جن کو جانا ہے اک دن وہ کیوں سر کو نا آسمان کھینچتے ہیں  
 ہوا لگنے دیتی تھی جن کو نہ بلبل [۱] وہی گل جھلے خزاں کھینچتے ہیں

ایک عالم سے جو چہمت جاؤں تو پروا نہیں کچھ  
 پر نہ ہاتھوں سے مرے دامن سرور چھوٹے

دل سیر ہے کدائے جناب امیر کا خالی کبھی رہا نہیں کاسہ فقیر کا  
 پھاسا ہوں ' ساکھا' مے کوثر کے خم کی خیر بہر دے خدا کی راہ میں کاسہ فقیر کا

گرد ہے اکسیر خاک کر بلا کے سامنے  
 زرد مٹی کی حقیقت کھا طلا کے سامنے  
 جسم کو اک دن فنا کر دیں گے چھوٹے آہ کے  
 بات کھا ہے خاک آزاد دینا ہوا کے سامنے  
 فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے وقار  
 ہاتھ پھیلانا ہے سلطان بھی کدائے سامنے  
 فصل پیری میں ہوس دنیا کی ' توبہ کر "انہس"  
 حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

جب گسستہ ہو گیا تار نفیس ' کون سا اُلفت کا رشتہ رہ گیا؟  
 کاتب اعمال بھی رخصت ہوئے ہاے میں قربت میں تنہا رہ گیا  
 قبر میں ہوگا حسنا ب زندگی بعد مرنے کے بھی جھگڑا رہ گیا  
 قبر میں رکھ کر نہ تھہرا کوئی دوست میں نئے گھر میں اکیلا رہ گیا

کھٹتا زور، مشقِ سخن بڑھ گئی : ضعیفی نے ہم کو جواں کر دیا  
سری قدر کر، اے زمینِ سخن : تجھے بات میں آسماں کر دیا

سدا ہے فکرِ ترقی بلند دینوں کو  
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمیوں کو  
یہ چھریاں نہیں ہاتھوں پہ 'ضعف پیری نے  
چلنا ہے جامۂ اصلی کی استیلاؤں کو  
لگا رہا ہوں مضامین نو کا پھر انبار  
خبر کرو مرے خرمین کے خوشہ چیلوں کو  
خیالِ خاطر احباب چاہیے ہر دم  
"انیس" تھیں نہ لگ جائے آبگیلوں کو

گدے کا بوجھ جو گردن پہ ہم اُٹھا کے چلے  
خدا کے آگے خجالت سے سر جھکا کے چلے  
تمام عمر جو کی سب نے بددستی ہم سے  
کفن میں ہم بھی عزیزوں سے ملے چھپا کے چلے  
"انیس" دم کا بھروسا نہیں تھہر جاؤ  
چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے ؟

عالمِ فانی میں کیا تم کو ملا ؟ اور کچھ اپنی گھر سے کہو گئے

صبا لے کے جا میرے پھولوں کی برو، دماغِ سدا بھی معطر رہے  
فقہروں کی کیا موت، کیا زندگی ؟ جگہ، جس جگہ مل گئی، مر رہے

اُسی کا نور ہر اک شے میں چلو گے دیکھا  
اُسی کی شانِ فطر آگئی جدھر دیکھا  
کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ "انیس"  
عروجِ مائے بھی دیکھا تو درپہر دیکھا

نمود و بود کو عاقل حباب سمجھے ہیں  
وہ جاگتے ہیں جو دنیا کو خواب سمجھے ہیں

کبھی برا نہیں جانا کسی کو ایسے سوا  
 ہر ایک ذرے کو ہم آفتاب سمجھتے ہیں  
 ارے نہ آئندہ دنیا کے دوس کے دھوکے میں  
 سراب ہے یہ ' جسے موج آب سمجھتے ہیں  
 محبت نہیں ہے جو شمشوں میں رکھ کے لے جائیں  
 ان آنسوؤں کو فرشتے گلاب سمجھتے ہیں

خود نویدِ زندگی لائی قضا میرے لئے  
 شمع کشتہ ہوں، قدا میں ہے بقا میرے لئے

چڑھے گی جو ندی میرے اشک کی تو نظروں سے دیرا اُتر جائیں گے  
 در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے  
 سر جہاں رکھتے ہیں سب ' ہم واں قدم رکھتے نہیں  
 جو سستی میں مال دنیا سے ہیں خالی اُن کے ہاتھ  
 اہل دولت جو ہیں وہ دستِ کرم رکھتے نہیں  
 جو مقدر ہے وہ ملتا ہے تیری س-رکار سے  
 ہم ہیں صابر ' کچھ خیال بیش و کم رکھتے نہیں

#### رباعیات

پروا تیغِ زباں کو سچلے کی نہیں حاجتِ طبلِ سخن کو بچلے کی نہیں  
 دُرِ بار ہے ابرِ طبعِ لیکن ہوں خموش عادت ہے برسے کی ' گرجنے کی نہیں  
 بیتجا نہیں مدحِ شہ میں غرا میرا بھرتی سے کلام ہے معرا میرا  
 مرقانِ خوشِ الحان چمنِ بولوں کھا مرجاتے ہیں سُن کے روزِ مرا میرا  
 پردساں کوئی کب چوہرِ ذاتی کا ہے ہر گل کو گلہ کم التمانی کا ہے  
 شہلم سے جو وجہِ گریہ پوچھی تو کہا دونا نقطِ اپنی بے ثباتی کا ہے  
 جس دن کہ فراقِ روح و تن میں ہوگا مشکل انا اِس انجمن میں ہوگا  
 نازاں نہ ہو رختِ نو پہن کر ' غافل ' اک روز یہی جسمِ کفن میں ہوگا  
 مہرِ مہر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے دغِ سب سے پورا کے ملہ دکھایا ہے تجھے



کیونکر نہ لہٹ کے تجھ سے سوؤں، اے قبر، میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھ

زیبا ہے وقار بادشاہی کے لیے جرات واجب ہے کچھ کلاہی کے لئے  
لازم ہے کہ ہوا اہل سخن تیز زبان تلواری ضرور ہے سپاہی کے لئے

جو شے ہے فلما، اُسے بقا سمجھا ہے جو چھوڑ ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے  
ہے بکھر جہاں میں عمر، مانند حباب غافل، اس زندگی کو کیسا سمجھا ہے

ایک ایک قدم لغزش مستانہ ہے گلزار بہشت اپنا مہبتانہ ہے  
سر مست ہیں حب ساقی کوثر سے آنکھوں شہشے ہیں قلب پیومانہ ہے

غافل تجھے کیوں خراش دنیائے دنی ہے

پیوند زمیں ہر کوئی درویش و غنی ہے  
جو قائم و صاحبِ پیمانے تھے ہمیشہ  
سوئے ہیں تہ خاک، گلے میں کفری ہے

گلشن میں پھروں کہ سیر صحترا دیکھوں  
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں  
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے  
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

آفوش لحد میں جب کہ سونا ہوگا جز خاک، تہ تکبہ نہ بچھونا ہوگا  
تلہائی میں آئے [ا] کون ہووے گا "انیس" ہم ہو رہیں گے اور قبر کا کونا ہوگا

دیار کا کھٹکا حشم و چاہ میں ہے جاگو، جاگو، کہ خوف اسی راہ میں ہے  
اُٹھو، اُٹھو، یہ خواب غفلت کب تک دیکھو، دیکھو، اجل کہہ دلتا ہے میں ہے

ظلمت کدہ ہلدی میں کھا ملتا ہے نے دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے  
صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو "انیس" در ایک طرف، نور خدا ملتا ہے

چھپتا ہے مقام، کوچ کرتا ہوں میں فرقت، اے زندگی، کہ مرنے میں میں  
اللہ سے لو لگی ہوئی ہے مکاری ارپہ کے دم اس واسطے بہرتا ہوں میں

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری      افروز ہے ترے غضب سے رحمت تیری  
چلت انعام کر ' کہ دوزخ میں جلا '      وہ رحم ترا ہے ' یہ عدالت تیری

فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی      بھگانے سے راحت ' نہ یگانے سے ملی  
حقا ' کہ پلک نواز ہے ذات تری      چلت انہوں اشکوں کے بہانے سے ملی

ممکن نہیں عباد سے عبادت تیری      خلق و کرم و عطا ہے عادت تیری  
صکرا صکرا میں گو کہ عصیاں میرے      دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

جب خانمہ شاہ خواہں اقبال کیا      اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا  
گھوڑے درزائے چاند سے سینوں پر      سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

کھر میں دھونڈو ' نہ انجمن میں دھونڈو  
میرقد میں نہ دھونڈو ' نہ کفن میں دھونڈو  
گلزار نجف میں مدح خراں ہوگا " انہس"  
بلبل کو جو دھونڈو ' تو چمن میں دھونڈو

ہر دم ہے خیال عذر خواہی دل میں  
مطلق نہیں کچھ خوف الہی دل میں  
نافی کی طرح خطا میں گزری سب عمر  
بالوں پہ سپی۔دی ہے سہاگی دل میں

وہ موج حوادث کا تھپیڑا نہ رہا      کشتی وہ ہوئی غرق ' وہ بھڑا نہ رہا  
سارے جھگڑے تھے زندگانی کے " انہس"      جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیرا نہ رہا

بابل یہاں آ کے خواہں بیانی سیکھے      اندازِ فغان مجھ سے ' فغانی ' سیکھے  
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ' ابر      دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

آنکھ ابر بہاری سے لڑی دھتی ہے      اشکوں کی ردا ملے یہ پڑی دھتی ہے  
دونوں آنکھیں میں میری ساروں بھادوں      یاں سارے برس ایک چھتری دھتی ہے

مضمون " انہس" کا نہ چہرہ اُترا      اُترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اُترا  
نقاش نے سو طرح کی خفت کھینچی      تصویر نہ کھینچ سکی ' تو چہرہ اُترا

اندیشہ باطل ' سحر و 'شام' کھا      عقیدے کا نہ ہمارے کچھ سر انجام کھا  
فنا کام چلے جہاں سے ' افسوس " انیس "      کس کام کو یاں آئے تھے کھا کام کھا

طفلی دیکھی ' شباب دیکھا ہم نے      ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے  
جب آنکھ ہوئی بلد تو عقدہ یہ کھلا      جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا      گھر چھوڑ کے زیر خاک سونا ہوگا  
بالہں سے سروکار نہ بستر سے غرض      ایذا کسی تکیہ میں بچھونا ہوگا

جب دار قضا سے جان کھونا ہوگا  
میت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا  
عادت نہیں ملے ڈھانپ کے سونے کی " انیس "  
کھا گزرے گی جب قبر میں سونا ہوگا

دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں      اک آن میں طوبی کے تلے جاتے ہیں  
ہے راہ بہشت کتنی ہموار " انیس "      بلد آنکھوں کدے لوگ چلے جاتے ہیں

دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں      یہ نشہ فقر ہے کہ جانا ہی نہیں  
لہریز ہیں یہ دولت استغنا سے      آنکھوں میں کوئی قلمی سماتا ہی نہیں

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں  
توفیق رفیق ہو ' تو چلتا ہوں میں  
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں " انیس "  
کیوں رک گئے پانوں ' ہاتھ ملتا ہوں میں

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے ؟      ناداں ' تجھے فکر آب دانے کی ہے  
ہستی کے لیے ضرور اک دن ہے فلما      آنا تھرا دلیل جانے کی ہے

کہوں زد کی ہوس میں آبرو دیتا ہے ؟      ناداں ' یہ کسے فریب تو دیتا ہے ؟  
لازم نہیں ایسے ملے سے تعریف " انیس "      خالص جو ہے مشک ' آپ بو دیتا ہے

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے '      بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے  
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا :      جس پھول کو سونگیتا ہوں بو تیری ہے

دل بت سے اُٹھا کے حق پرستی کھینچے ' بے تیغ "انیس" قطع ہستی کھینچے ؛  
 آخر ایک دن یہ پانوں ہوں گے بے کار ؛ بہتر ہے یہی کہ پیش دستی کھینچے  
 راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گذری ؛ کیونکر تاریک گھر میں تلہا گذری ؟  
 اے کلچ لحد کے سونے والو ' افسوس ؛ کس سے پوچھیں کہ تم یہ کیا کھا گذری ؟  
 اب زیر قدم لحد کا باب آپہنچا ؛ ہشیار ہو جلد وقت خواب آپہنچا  
 پوری کی بھی درپہر تھلی ' آہ ' "انیس" ہلنگام غروب آفتاب آپہنچا

کھوں زر کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے ؟  
 جانا ہے تجھے کہاں ' کدھر پھرتا ہے ؟  
 اللہ رے ' پیروی میں ہوس دنیا کی !  
 تھک جاتے ہوں جب پانوں ' تو سر پھرتا ہے

داغ غم شہ ' سیلے میں گل بوٹے ہیں ؛ کیا کیا گہر بڑھیں بہا لوقے ہیں  
 مجلس میں ریاضے جو کہہ دیتے ہیں "انیس" اشک اُنکے بھی موتی ہیں مگر چھوٹے ہیں  
 جب اُٹھ گیا سایہ جوانی سر سے ' پھر ہوگی جدا نہ سرگرائی سر سے  
 کچھ ہوگا نہ ہانہ پانوں مارے سے "انیس" جس وقت گذر جائے گا پانی سر سے  
 دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے آنا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے  
 جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا یاں اور گرہ سے ایک برس جاتا ہے  
 دنیا جسے کہتے ہیں بلاخانہ ہے ' پامال ہے جو عاقل و فرزاندہ ہے  
 ما بین زمین و آسماں یوں ہم ہیں : جیسے دو آسمان میں ایک دانہ ہے

## ڈبیر

سلامت علی "ڈبیر" مرزا غلام حسنین کے بیٹے '۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھ سات برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آئے ' وہیں سوہن سنبھالا اور چھوٹا علما سے فضل و کمال حاصل کیا۔ شعر و سخن کے ساتھ خلتی ملباسیت تھی۔ میر "ضمیر" مشہور مرثیہ گو کے فیض صحبت سے مرثیہ گوئی کی طرف مائل ہوئے اور محتالس عزا میں شریک ہونے لگے۔

مشہور ہے کہ مرزا صاحب نے پندرہ برس کی عمر سے مرثیہ گوئی شروع کی پچاس ساٹھ سال کی عمر تک تین ہزار مرثیہ لکھے ' رباعیاں اس کے علاوہ جو اکثر لاجواب ہیں۔ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) میں لکھنؤ میں وفات پائی [۱]۔

### سرائی

میدان جنگ میں جناب امام کی آمد

کس شہر کی آمد ہے کہ دن کانپ رہا ہے دن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے  
دستم کا بدن زیر کنن کانپ رہا ہے ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے  
شمشور بکف دیکھ کے حوڈر کے پسر کو  
چہرے لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پو کو

ہیبت سے ہیں نہ قلعة افلاک کے در بند جلاک فلک بھی نظر آنا ہے نظر بند  
را ہے کمر چرخ سے جوزا کا کمر بند سیارے میں غلطان صمت طائر پر بند  
رنگت پہ عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے  
خروشید کے پلجے سے علم چھوٹ پڑا ہے

[۱]—خمتانہ جاوید ' ص ۱۵۸ ج ۳ و تاریخ ادب اردو ' ص ۳۱۷ و ۳۲۵ ج ۱۔

اُس رخس کو عباس آراتے ہوئے آئے کوس ”لن الملک“ بجاتے ہوئے آئے  
 اک تیغ نگہ سب پہ لگاتے ہوئے آئے تکبیر سے سوتوں کو جگاتے ہوئے آئے  
 کھینچے ہوئے فصے سے ہر ابرو کی کماں کو  
 اور تانے ہوئے پلکوں کی ایک ایک سداں کو

شیر خوار اور تشنگ لب علی اصغر پر تیر ستم

پھر ہونٹ بیڑبان کے چومے جھکا کے سر رو کر کہا جو کہتا تھا سو کہ چکا پندر  
 باقی رہی نہ بات کوئی، اے مرے پسر سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر  
 پھری زبان لبوں پہ جو اُس نور عین نے  
 تھرا کے آسمان کو دیکھا حسین نے  
 مولا فلک کو دیکھ رہے تھے کہ ناگہاں لی حرمائے نے شانے سے دو تانک کی کماں  
 ترکش سے چن کے کھینچ لیا تھر جانستارں جوڑا کماں میں تاک کے حلقوم بیڑبان  
 چھتے ہی، حلق بچے کا چھیدا جو تیر نے  
 گھبرا کے غشی سے کھول دیں آنکھیں صغیر نے  
 کیا سن تھا تیر کہاتے ہی بچہ بلک گیا سوکھے گلے میں خون بھرا دم اٹک گیا  
 تیرا جو شہ کے ہاتھوں پہ قامت سرکا گیا توپی گری زمین پہ ملکا قہلک گیا  
 ننھی کلائیوں میں تشلیج سے بل پڑے  
 ہچکری سی آئی منہ سے اٹھو تھے نکل پڑے  
 منہ آسمان سے شہ نے پھرایا کہ کیا ہوا دیکھا کہ پار حلق سے تیر جفا ہوا  
 بچہ تو تپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا یوں دیکھتا ہے جیسے کہ کوئی درا ہوا  
 آنکھیں پھرائے دیتے ہیں تیر دلتے ہیں  
 آگے تو دودھ اُگلے تھے اب خوں اُگلے ہیں  
 شہ نے [۱] کہا المیوں سے کیوں اے جوان و پسر ہم نے کہا تھا کیا جو بھلا تم نے مارا تیر؟  
 تم سے کلام کرتا تھا میں یا کہ یہ صغیر اِس بیڑبان نے تو نہ مانگا تھا آب و شیر  
 تابست علی کے پوتے کی تم نے خطا نہ کی  
 تم نے ہمارے لانے کی بھی کچھ حدیا نہ کی  
 ہنس ہنس کے سب حسین کے رونے پہ ہست گئے شہ نے وہ آہ کی کہ دو عالم اُلت گئے

اصغر ہمک ہمک کے پندر سے لہت گئے نلھے سے ہانہ پانو لرز کر سمت گئے  
 ہونٹوں پہ شہ کے ہونٹ ملے اور گذر گئے  
 اک بوسہ مسکرا کے لیا اور مر گئے

#### غم حسین

داغ غم حسین مہوں کیا آب و تاب ہے اس داغ کے چراغ کا گل آفتاب ہے  
 یہ گل وہ گل ہے جس کا کہ بلبل ثواب ہے یہ داغ لالہ چمن بوتلاب ہے  
 پروانے ہیں چمن کے ' لحد کے چراغ ہیں  
 نام خدا نجات کی مہریں یہ داغ ہیں  
 دل ہے کلہم اور یہ بوضا یہ داغ ہے قندیل جس کی طور ہے یہ وہ چراغ ہے  
 اندیشہ خزاں سے اسے انقراغ ہے ہر وقت اشک سے تر و تازہ دماغ ہے  
 اس اشک سے ہزار طرح کا فتوح ہے  
 مصیباں کے فرق کرنے کو طوفان نوح ہے

#### اسیروں کا قافلہ

عزیزو، حادثہ نو فلک دکھاتا ہے حرم کا قافلہ پڑھیں یزید جانا ہے  
 گلے بندھے ہیں بدن سب کا تھرتھراتا ہے نہ سانس لیتے ہوں قیدی نہ بول جاتاہے  
 جو گرتے ہیں تو ستمگار نیزے مارتے ہیں  
 وہ دو کے حیدر کرار کو پکارتے ہیں  
 کہوں اسیروں کا سب حال یہ مجال ہے کیا یہ ہاتھ باندھے کمضوں ہے دست بستہ کھڑا  
 ہوا ہے بیڑیوں سے بس کہ غافلہ برپا بتول خلد میں حیدر کو دے رہی ہے صدا  
 بلند کرتی ہے فریاد یا علی، زلیب  
 چلو یزید کے دربار میں چلی زلیب  
 ادھر اسیروں کے بچوں کی نالہ و زاری ادھر لہجوں کو زاری سے اُن کی بیزاری  
 جناب عابد بیکس اسیر و آزادی اور اہل ظلم کے آزار میں دل آزادی  
 سکینہ کہتی تھی اماں، چلا نہیں جانا  
 اشارہ کرتی تھی ماں، کچھ کہا نہیں جانا

#### صبح

جب ختم کیا سورۃ "واللیل" قمر نے اور سمجھا انجام کو لگا ہاتھ سے دھرنے

آغاز کیا آیت ”والشمس“ سحر نے اور رو کے کہا فاطمہ خستہ چکر نے  
دوشہدہ ہوا روے قمر چرخ بریں میں  
چھپ جائے گا اب چاند ہمارا بھی زمین میں

وہ روشنی صبح وہ جنگل وہ بیابان وہ سرد ہوا اور وہ سحر قتل کا سماں  
ہر مرتبہ جنگش میں بہم برگ درختاں اور شاخوں پہ وہ زمزمہ مرغ خوش العنان  
خورشید کی وہ جلوہ گری آج و سما سے  
اور خیموں میں بجھنا وہ چراغوں کا ہوا سے  
سوچ کی کرن سبزہ صحرایہ جو آئی وہ فرش زمرد بھی ہوا فرش طلائی  
مرغان سحر مستعد نغمہ سرائی اور فاطمہ دیتی تھی محبت کی دھائی  
آہ دل زہرا جو شرر بار ہوئی تھی  
خورشید کے خرمیں میں بھی اک آگ لگی تھی  
وہ پرتو مہر اور وہ ذروں کا چمکنا اور ساغر خورشید سے وہ نور جھلکنا  
اور خیمے میں شہیر کے پہلوں کا بلکنا سر خاک پہ ہر مرتبہ رو رو کے پتکنا  
عالم تھا یہ اُس دم حرم خاک نشین پر  
تسبیح گدے قوت کے جس طرح زمین پر

پیدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی پندہاں درازی پر طائوس شب ہوئی  
اور قطع زلف لہلی زہرہ لقب ہوئی مجنوں صفت قباے سحر چاک سب ہوئی  
فکر رفو تھی چرخ ہنرمند کے لیے  
دن چار تکرے ہو گیا پیوند کے لیے

یوسف فراق چاہ میں ناکہ نہاں ہوا یہی غروب ماہ تجلی نشان ہوا  
یونس دہان ماہی شب سے عیاں ہوا یہی طلوع فجر مشرق ستاں ہوا  
قدعون شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب  
دن تھا کلام اور یثیٰ بیضا تھا آفتاب  
تھی صبح یا فلک کا وہ چھپ دریدہ تھا یا چہرہ مسیح کا رنگ پریدہ تھا  
خورشید تھا کہ عرش کا اشک چکھدہ تھا یا فاطمہ کا نالہ گردوں رسیدہ تھا  
کھپے نہ مہر صبح کے سینے پہ داغ تھا  
امید اہل بیت کا گھر یہ چراغ تھا



گویا دو سفید فوج خدا ہے ظہور صبح آتی ہے ان کے عقد عبادت میں حور صبح  
 رخ سے طلوع مہر چہلوں سے ظہور صبح ایک سمت ان گنور ہے ایک سمت نور صبح  
 سر سجده میں بدن ہے قعود و قہام میں  
 کہا صبح کی بہار ہے فوج امام میں  
 آواز ” ارکبوا “ جو ملائک سناتے ہیں شازی نماز پڑھ کے مصلے اُٹھاتے ہیں  
 تعقیب کی دعائیں مگر پڑھتے جاتے ہیں سجده کو استعاذہ مولا پہ آتے ہیں  
 درپر رکھے جیہڑوں کو سب خوشخصال میں  
 ایک آسماں ہے اور بہتر ہلال میں  
 مثل قمر یہ عابد شب زندہ دار ہیں ماندہ مہر متقی روزگار ہیں  
 شکلِ فلک رکوع میں لہل و نہار ہیں مثل زمیں سجدہ میں یہ خاکسار ہیں  
 سجدے کی ان کے ہاتھ سے کیا قدر پڑھتی ہے  
 تسبیح ان کے ہاتھ میں تسبیح پڑھتی ہے

#### رات

فاکہ بیاہاں میں زلیخاے شب آئی یوسف کی طرح چاند نے کی جلوہ نمائی  
 طلعتِ عالم کاکشاں نے جو دکھائی خورشید نے بچلی چہ مغرب میں گرائی  
 بے نور تھی شب غم سے شہ جن و ملک کے  
 کہوے یہ قمر داغ تھا سہلے پہ فلک کے

#### حضرت عباس کی تلوار

پھر مہمان سے تلوار عجب تھلگ سے نکلی غل تھا وہ گل فتح کی بو رنگ سے نکلی  
 لہلے کے لہے جان صاف چلگ سے نکلی یہ سر پہ سواروں کے پتی رنگ سے نکلی  
 ہمت ہمت کے صدا موت نے دی فوج ستم کو:  
 اب خیر نہیں آؤ میرے ساتھ عدم کو

کھسی رنگ جہاں توغ نے ریشے کو نہ چھوڑا پہلچے پہ چوڑا پہنچتی تو ریشے کو نہ چھوڑا  
 بے جان لہے شیروں کے ہیشے کو نہ چھوڑا پر ظالموں نے مکر کے پیشے کو نہ چھوڑا  
 سر کت کے گرے پانو اُٹھانے لکے ظالم:  
 آنکھ ایک طرف جان چرانے لکے ظالم

ہر دم تھی وہ شمشیر دو دم اوج کے اوپر سو بار گری برق ' صف فوج کے اوپر  
 کہ فرد کے سر پر تو کبھی زوج کے اوپر تھا شور کہ ہے سہل فلدا موج کے اوپر  
 ظاہر تھی کبھی اور کبھی آنکھوں سے نہاں تھی  
 قدرت تھی خدا کی: کبھی یاں تھی کبھی واں تھی

گہ خود کے فانوس میں یہ شمع تھی روشن ' گہ برج سر فوج میں تھی پرتوہ انگن  
 گہ گردن ' و گہ سہل اعدا کھا مسکن ' کہ جوشن و بازو ہوئی ' گہ داخل جوشن  
 پاکھر میں جو پوشیدہ ہوئی ' بال سے نکلی  
 اُس چال سے نکلی کبھی اِس چال سے نکلی

نکلی کبھی مثل معنو چرخ کہن سے گہ زیر زمین چھپ گئی غرہ کیا دن سے  
 سن سن چرچلی ' فوج گچی ہو گیا سن سے سر ہو گئے گردن سے جدا ' روح بدن سے  
 یہ وصف اسی تیغ قصہ ہلاک میں دیکھا :  
 گہ غرق زمیں میں ' کبھی افلاک میں دیکھا

شانے پہ جو چمکی تو بغل سے نکل آئی جاں دار کے تن زشت عمل سے نکل آئی  
 گہ حُر کی طرح فوج دقل سے نکل آئی دریا میں چوتیری توجہ دل سے نکل آئی  
 ہلتی تھی زمیں ' گہ زمیں کانپ رہی تھی :  
 ساتھ اُس کے چو پھرتی تھی اجل ہانپ رہی تھی

ہر بار نگی چال ' نیا طور ' نیا تہنگ اسواروں کو پیدل کھا ' پیدل کیے چورنگ  
 گہ زمین پہ ' گہ ہانک پہ ' اور گہ بے سر تلگ گہ تلگ لیا : گہ لعلوں کا دل تلگ  
 بل کھاتی تھی گہ اژدر خونخوار کے مانند  
 اعدا کے گلے میں تھی کبھی ہار کے مانند

تیروں میں جو چمکی صفت کا جلا یا ہر سمت پڑا تودہ پہلوں کا نظو آیا  
 پر تھو کا ' شہباز نے سپہاؤ جو ہلایا نکلا تھا نہ گوشے سے کہ جو اُس کو گرایا  
 دھشت سے فراموش سب انداز ہوئے تھے  
 خود گوشے میں پہنچاں قدر انداز ہوئے تھے

شمشیر عسدار تھی یا فصل بہاری جنگل ہوا گلزار وہ چشمے کیے جاری  
 زخموں سے ہلٹے شجر گل قد ناری اک ایک روش باغ کی لاشوں سے سہواری  
 پانی کے عوض خون کی اک نہر رواں تھی  
 ظاہر میں بہار اور وہ باطن میں خزاں تھی

تیرے ہونے پہ پڑی تیغ، تو تیرے ہونے آری؛ آری ہو نہیں تیغیں، تو ستمگر ہوئے عاری؛  
 عاری ہوئے ناری، تو ہوا سر انہیں بہاری؛ بہاری ہوا جب سر، تو سپک ہو گئے ناری

ناری تھے سبک اس سے کہ سر دور تھا تین سے

سر دور تھا تین سے کہ قدم اٹھتے تھے دن سے

آئی جدھر اک سہل پہانی ہوئی آئی سب کو کلمہ اپنا پڑھانی ہوئی آئی  
 واہ ستر و نادر بتانی ہوئی آئی ہر فرد کے چہرے کو مٹانی ہوئی آئی  
 تھیں برجھوں کی شمعیں جو روشن وہ بجھادیں

دیواریں صفوں کی جو کھڑی تھیں وہ گرا دیں

مغیر سے اگر چھو گئی گردن میں در آئی گردن سے بڑھی سہلے دشمن میں در آئی  
 سہلے کو کیا چاک، تو جوشن میں در آئی جوشن سے چونکلی، تو وہ ترسن میں در آئی

توسن سے جو اُتری، تو نہ پھر دن میں کہیں تھی

واں تھی، نہ جہاں گاؤں میں تھی، نہ زمیں تھی

#### رباعیات

جو روضے میں باریاب ہو جانا ہے وہ اوج میں لاجواب ہو جانا ہے  
 جلتا ہے جو شب کو قبر حیدر پر چراغ وہ صبح کو آفتاب ہو جانا ہے

خورشید سر شام کہاں جاتا ہے روشن ہے ”دبیر“ پر جہاں جاتا ہے  
 مغرب ہی کی جانب کو ہے قبر حیدر یہ شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے

مہزان سخن سلج میں تلتا ہوں میں فکر گہر نظم میں گولتا ہوں میں  
 دل دھما ہے بلند قفل ابجد کی طرح جب حرف شناس ہو تو کھلتا ہوں میں

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے  
 ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

ہم شان نجف نہ عرش انور تھہرا مہزاں میں یہ بہاری وہ سبک تر تھہرا  
 اس پلے میں تھا نجف اور اس پلے میں عرش پہنچتا وہ فلک پر یہ زمیں پر تھہرا

کہتی ہے زمیں ہر عرش آج میں ہوں زیر قدم صاحب معراج میں ہوں  
 آواز، لب فرش سے ہوتی ہے بلند طرہ یہ ہے سب پہ عرش کا تاج میں ہوں

## عشق

آغا سید حسین مرزا "عشق" لکھنؤ کے رہنے والے، میر انیس اور مرزا دبیر کے ہمعصر، مرزا انیس کے بھتیے اور شاگرد تھے [۱]۔ مرثیہ کے علاوہ اور اصناف سخن میں بھی مشق بہم پہنچائی تھی۔ ان کے مرثیوں کا مجموعہ دو جلدوں میں چھپا ہے، جو سلام، نوے اور مرثیہ کے تمام اصناف پر حاوی ہے۔ ۱۲۸۳ھ تک زندہ تھے [۲]۔

یہ اپنے مرثیوں میں اکثر صنائع و بدائع کو اس خوبی سے بیان کرتے ہیں کہ آورد کا رنگ معلوم نہیں ہوتا۔ معمولی بات، قیو معمولی اہتمام سے بیان کرتے ہیں، جا بجا الفاظ کی کثرت ہو جاتی ہے لیکن معمولی نقص پیدا ہونے نہیں دیتے۔

### سرائی

#### مناجات

سنبھال، دونوں جہاں کے سنبھالنے والے معین، کوہ مصیبت کے ڈالنے والے، مفر، نجات کی صورت نکالنے والے، نباہ دے مجھے، اے میرے پالنے والے رحیم کون ہے تجھ سا بھلا جہاں جاؤں  
بتا مجھے ترے در کے سوا کہاں جاؤں

### تعلی

ایک قطرہ دُر خوش آب ہوا      داغ بے نور ماسحاب ہوا  
ذکر مہر ابو تراب ہوا      عشق دُرے سے آفتاب ہوا  
کیسا اندھیرا فروغ نور بدلا؟  
تھا شرارہ، چراغ طور بدلا

[۱]—تاریخ ادب اردو ص ۳۳۲ ج ۱، ر سخن شعرا ص ۳۳۲۔

[۲]—کلیات مرثیہ ص ۲۰۱ مطبوعہ ۱۲۹۶ھ میں ۲۱ صفحہ ۱۲۸۳ھ کا ایک خط ان کے نام کا

موجود ہے۔

شکر خدا کہ عجز میں ہم لا جواب ہیں  
 پیرو غرور کی ہیں ادب کا شباب ہیں  
 ذروں کا جس کو پاس ہے وہ آفتاب ہیں  
 کیوں کر نہ ہوں، [۱] کہ خاک در بو تراب ہیں  
 تکلف سر اٹھا کے نہ دیں خار کی طرح  
 دشمن سے چھک کے ملتے ہیں تلوار کی طرح

منقبت

انبال شہ دیں کے ہما ہیں علی اکبر  
 چشم گل زہرا کی ضہا ہیں علی اکبر  
 سب کہتے ہیں کیا جانہے کہا ہیں علی اکبر  
 ہے مجھ کو یقین نور خدا ہیں علی اکبر  
 رخسار ہیں یا مصطفیٰ پر نور کہلے ہیں  
 دادا کی طرح عقدہ کشائی کو لے لے ہیں

حضرت علی اکبر کا سراپا

ذکر شب معراج ہے افسانہ گیسو زیبا ہے اڈر چاند بلے شانہ گیسو  
 سنبھل ہے پریشاں کہ ہے دیوانہ گیسو ہے کاشکشاں جلوۂ کشانہ گیسو  
 ہوں وصف بیاں، یہ کسے ارمان نہیں ہوں؟  
 اعمال شب قدر کے آسان نہیں ہیں

کہا چشم ہے، یارا نہیں شہروں کو نظر کا  
 اس آنکھ سے پردہ نہیں کچھ نیکی و شر کا  
 ہے نور عجب موند سک چشم قمر کا  
 آغوش میں آو کے ستارا ہے سحر کا  
 ملے زرد ہے نرگس نگران ہے جو تعب میں  
 دیکھا ہے ان آنکھوں کو مگر عین غضب میں

شب کو، بصارت کا سپارا انہیں سمجھیں  
 مڑکے سے جفاکیش صف آرا انہیں سمجھیں

خوش چشم جہاں جان سے بیمار اُنہیں سمجھوں  
سب اہل نظر آنکھ کا تارا اُنہیں سمجھوں  
دانتوں کو نہ ہوں بند وہ کالی ہیں یہ آنکھیں  
آسرا خدا دیکھنے والی ہیں یہ آنکھیں

---

حضرت علی اکبر میدان جنگ میں جاتے ہیں  
مہتاب سے اختر کی جدائی کا بیاں ہے شہیر سے اکبر کی جدائی کا بیاں ہے  
ہم شکل پیو مگر کی جدائی کا بیاں ہے رشک مہ انور کی جدائی کا بیاں ہے  
پر گرد ہیں کھڑے پسر شہر خدا کے  
آنکھیں ہیں لحد اصغر ناداں کی بنا کے

---

دشمن اشتعال دیتے ہیں

کچھ آج زور فاتح خہر دکھائیے برق حسام اے مہ انور دکھائیے  
ناحق ہے عجز تیغ کے جوہر دکھائیے سبط نبی، شجاعت حیدر دکھائیے  
جاتا رہا ہے پیاس سے کیا آج تن کا زور؟  
ہاتوں میں آپ کے نہوں خہر شکن کا زور

---

تلوار کی تعریف

شاخ حسام خون سے گل پوش ہو گئی سر کٹ گئے تو فوج سبکدوش ہو گئی  
پتلی ہر ایک آنکھ میں بے ہوش ہو گئی ہر شے کے دہ سے یاد فراموش ہو گئی  
فرق عدو سے موت کا قلنا محصال تھا  
جس پر گری وہ تیغ، سنبھلنا محصال تھا

---

## مونس

میر محمد نواب ”مونس“ میر انیس کے چھوٹے بھائی اپنے والد میر مستحسن ”خلیق“ سے مشورۂ سخن کرتے تھے [۱] - مرثیہ گوئی میں کسی طرح اپنے بچے بھائی سے کم نہ تھے - لیکن گوشۂ نشینی کی وجہ سے مشہور نہ ہوئے - نہایت زود گو تھے - ان کے یہاں ہر مرثیے کی چھندسریں کو مجلس ہوتی تھی جس میں یہ ہمیشہ نیا مرثیہ پڑھا کرتے تھے - پڑھنے کا طرز نہایت موثر اور دلکش ہوتا تھا - مرثیے کے علاوہ ابتدا میں غزلیں بھی کہی تھیں - ان کے مرثیوں کا مجموعہ چھپ چکا ہے - ۱۲۹۲ھ میں وفات پائی [۲] -

مشکل زمیوں میں متاورے اور زبان کو قائم رکھتے ہیں - سلاموں میں استعارے اور کلمات کی چھلک معلوم ہوتی ہے - انیس اور دبیر کے بعد ان کے مرثیوں میں سب سے زیادہ آمد کی شان اور آورد کی بلندی ہے -

### مرثی

تعلیٰ اور حد

گنگوٹہ کش عارض لہلہ سخن ہوں  
ہر ہفت [۳] کن چہرۂ سلسلے سخن ہوں  
دلدادہ حسن رخ زیبائے سخن ہوں  
خود شہادت زلف چاہیے سخن ہوں  
کیا حسن دکھاتے ہیں بتان چگل [۴] اپنا  
یہ ہے وہ سلسل کے مسلسل ہے دل اپنا

[۱] - سخن شعرا - ص ۲۷۲ - [۲] - تاریخ ادب اردو، ص ۳۱۲ - ج ۱ -  
[۳] - ہر ہفت، کنایہ از زیب و زینت عمومآ و آرائش و زینت نقائگانہ خصوصاً (یعنی ساتوں سنگار) - بہار عجم -  
[۴] - چگل بکرتیں، ص ۱، شہریست بہ ترمذیان منسوب ہذاں جا را چگلی گویند و بشوب روئی و تیر اندازی مزبور اند - فرہنگ اندراج -

خوبان جہاں سب ہیں یہ سب میں ہے یہی خوب  
 پیارا ہے یہی روح کو ' جاں کو یہی مطلوب  
 مطبوع یہی طبع کو ' دل کو یہی مرقوب  
 معشوق کا معشوق ہے ' محبوب کا مستحوب  
 دیکھا ہی کرے چشم کو منظور یہی ہے  
 قلمیں یہی ' رضواں بھی یہی ' حور یہی ہے

یارب تری قدرت کی یہ سب جلوہ گری ہے  
 یہ خشک زراعت تری رحمت سے ہری ہے  
 تہرے ہی کرم سے مرے گلشن میں تری ہے  
 درویش کی جھولی گل چلت سے بھری ہے  
 اب فکر ہے کیا حدیث مقبول لہے ہوں  
 رنگیں چمن نظم کے میں پھول لہے ہوں

تعلیمی

اے دستِ قلم شانہ کش زلفِ سخن ہو اے تختہٴ قریطاسِ سخن [۱] رشکِ چمن ہو  
 اے شمعِ زباں ' روشنیِ بزمِ حسن ہو اے شاہدِ مضمون ' نئے جلوے سے دلہن ہو  
 اک حور سراپا مستحلی [۲] نظر آئے  
 ہر نقطے کے گھونگٹ میں تجلی نظر آئے  
 گنگوٹہٴ رخسارِ سخن ہے ترا جلوہ لفظوں [۳] کے لیے حسنِ حسن ہے ترا جلوہ  
 تزیینِ عروسانِ چمن ہے ترا جلوہ دلِ جس پہ ہے شیدا وہ دلہن ہے ترا جلوہ  
 خالی جو تجلی سے ہو وہ طور نہیں ہے  
 بے نور ہے مجلسِ جو ترا نور نہیں ہے  
 اے جانِ جہاں ' جان ہے تو نظم کے تن کی رونق ہے ترے نور [۴] سے اس قازہٴ چمن کی  
 تجھ سے چمکِ قافیہٴ مستحجانِ زمین کی گہ تو نہ ہو ' پوچھے نہ کوئی باتِ سخن کی  
 کچھ نظم کی توقیر نہ ہو ' شان نہ ہووے  
 پھر خاک ہے قالبِ میں اگر جان نہ ہووے

[۱]—نل (سدن) - [۲]—نل (مستحلی) - [۳]—نل (نظاموں) - [۴]—نل (رنگ) -



## ملفوظات

ناج سر سخن ہے شہ "لافتی" کی مدح حسن رخ کلام ہے مشکل کشا کی مدح  
لفظوں کا نور ہے اسد کبریٰ کی مدح خلعت ہے حرف حرف کا دست خدا کی مدح  
چمپ تک زباں دے صفت مرقم کرے  
بلبل وہ خوش نوا ہے جو گل کی ٹڈا کرے

شہر خدا ' شجاع عرب ' شاہ نامدار نور میں ' چراغ ہدایت ' فلک وقار  
فیاض خالق ' صاحب مصاصم ذوالفقار آدم کا فخر ' حضرت عیسیٰ کا افتخار  
مولد ملا تو خالق اکبر کا گھر ملا  
کعبہ صدف بدلا تو علی سا گھر ملا

## مناقب اہل بیت

ایک سے ایک جو خوشرو تو حسین ایک سے ایک  
سبزہ رنگوں میں زیادہ نمکیں ایک سے ایک  
رشتہ واحد یہ فزوں در تمیں ایک سے ایک  
صورت دانگ تسبیح قریں ایک سے ایک  
شہر تھا لاکھ یہ بہاری میں جو ہوں سو ایسے  
اللہ اللہ امام ایسا ہو پورو ایسے  
صادق القول ہوں ' نامی میں ' نمودار میں سب  
سجدے تیغوں سے کریں گے یہ وہ جزار ہوں سب  
حافظ و متقی و زائد و ابرار ہوں سب  
کہوں نہ ہو مصحف ناطق کے نمکھوار ہوں سب  
آیتوں دین کی میں [شیخو] باری میں  
کہ دے قرآن بکلف خونکہ یہی قاری ہوں  
وہ عبانوں مدنی اور وہ قبائوں عربی  
مکی و فاطمی و ہاشمی و مصلبی  
صاف پیشانوں ' آئینہ عالی نسبی  
رشتہ داران علی [شیخو] آل نبی  
ایک تسبیح امامت کے یہ سب دانے ہیں  
اُسی تسبیح کے شمسے میں جو بیگانے ہیں



( ۷۵ )

سورۃ حمد ثناخوان ہے زہے عزت و جاہ  
 سورۃ قدر ہے توقدیر سے ان کی آگاہ  
 ان کی تکبیر کا کہا ذکر ہے ' سبحان اللہ !  
 ہے تشہد بھی شہدوں کی عبادت پہ گواہ  
 بیٹھتے تھے تو قعود ان سے شرف پانا تھا  
 ان کی تعظیم قیام اُتھ کے بجا لانا تھا  
 عین الطاف سے کرتا تھا نظر رب جلیل  
 کبھی تکبیر تھی لب پر تو کبھی تھی تہلیل  
 روم و طباق و مد و ہمس و [صفہ] و ترتیل  
 وہ قراعت کہ عرب میں بھی نہ تھا جس کا عدیل  
 عرش پر سلنے تھے قدسی شہدا کی باتیں  
 تھے تو بلند پہ زبان پر تھیں خدا کی باتیں

حضرت علی اکبر کی مثنوی

اے طبع رسا، صیقل شمشیر زبان ہو اے پرچہ الماس سخن، نور فشاں ہو  
 اے شمع ذکا، روشنی بزم جہاں ہو اے مو قلم، اُٹیلے کافذ پہ رواں ہو  
 ہر چشم کو صورت نظر آجائے نبی کی  
 تصویر کھلچے صاف رسول عربی کی  
 اقلیم ثریا سے قلم باج ستاں ہے کافذ ورق مہ کی طرح نور فشاں ہے  
 نقطوں پہ درخشندہ ستاروں کا گماں ہے حسن رخ ہمیشگی محمد کا بیاں ہے  
 وہ حسن کہ خورشید بھی پروانہ ہے جس کا  
 مصباح دل انجمن افسانہ ہے جس کا  
 وہ نور جو ہے نور میں خاق میں مشہور اُس نور کے ہمیشگی کی تصویر ہے منظور  
 ہاں برق [ا] قلم، قطع، ہوشاخ شجر طور اور حل ہو سیاہی کے عوض مرد مک حور  
 [شجر عرف] کی جا سرخی روئے شفق آئے  
 خورشید درخشاں کا طلائی ورق آئے

حضرت زینب کے پسر

زینب کے بھی کہا صاحب اقبال پسر تھے  
 دونوں جہلمستان و فاما کے گل تر تھے  
 کہنے کو وہ لڑکے تھے پتہ شیروں کے چنگر تھے  
 خدروں میں تھے خورشید ستاروں میں قمر تھے  
 عاشق تھے دل و جاں سے امام ازلی کے  
 دو گوہر زایاب تھے رشتے میں علی کے

لاکھوں بدرس ایسے گل رعنا نہیں ملتے  
 موتی تو بہت پر در یکتا نہیں ملتے  
 اسباب حشم خلیق میں کیا نہیں ملتے  
 لیکن یہ جواہر کبھی اصلا نہیں ملتے  
 اب تک نہ کسی صاحب اقبال نے پائے  
 یہ لال فقط فاطمہ کے لال نے پائے

حضرت علی کا نام

نام خدا، یہ نام ہے شمع سوارے دل  
 سچلے ہے کوہ طور تجلی فضاے دل  
 دکھ میں دوائے دل ہے مرض میں شفاے دل  
 دل اس کے واسطے یہ علم ہے براے دل  
 کرسی کے ساتھ رفعت عرش بریں بھی ہو  
 نام ہلکی ہو نقش تو اعلیٰ نگین بھی ہو  
 ہر درد و غم میں باعث آرام ہے یہ نام  
 کہہف الانام دافع آلام ہے یہ نام  
 وود ملائکہ سحر و شام ہے یہ نام  
 اعظم جو سب میں نام ہے وہ نام ہے یہ نام  
 تاثیر اس کی یوسف کدعاں سے پوچھو  
 اس نام کے اثر کو سلیمان سے پوچھو

## صبح کا نور

آمد وہ آفتاب کی اور وہ سحر کا نور      کافور ہو گیا تھا فلک پر قمر کا نور  
بالا تھا نخل طور سے ہر اک شجر کا نور      پھیلا تھا چاندنی کی طرح دشت و درکانور  
گلچنوں کے ملے جو صبح نے شب زم سے دھوئے تھے  
گویا گلوں نے عطر میں چہرے تہوئے تھے  
بستان کرپلا کی وہ بو باس وہ بہار      مرغان خوشنوا کا چہکنما وہ بار بار  
کوکو وہ قمریوں کی ' وہ طاؤس کی پکار      نالے وہ بلبلوں کے ' وہ سبز ' وہ لالہ زار  
کرتے تھے وجد کیک ددی کوہسار میں '       
بن میں غزال متھو تھے ' ضیغم کچھار میں

## حضرت مرزا محمد کی جنگ

بڑھ بڑھ کے پھر نقیبوں نے جلدی جمائی صف  
جھک جھک کے پھر اُتھے علم فوج ہر طرف  
پھر ' تا فلک پہنچ گئی آواز کوس و دف  
پھر فوج میں دھڑسے اسد بھشہ نجف  
جاتے تھے نعرے مار کے یوں ہر سوار پر  
جس طرح شیر بھوک میں جھپٹتے شکار پر  
ہلچل پروں میں پڑ گئی ' سازی جدھر گئے  
اُلتوں صفوں صفوں پہ ' سازی جدھر گئے  
کھیلا شکار ' شہر حجازی جدھر گئے  
اک تارہ آفت آگئی ' تازی جدھر گئے  
کیونکر آریں نہ ہوش ' جب ایسی ہوا چلے ؟  
ہرنوں کا زور شیر کے بچوں سے کیا چلے ؟

وہ نیمچے چمک کے برابر جدھر چلے      دو کردیا اُسے اسے چورنگ کرچلے  
بر میں لباس سرخ پہن کر نکھر چلے      کاتانکا کھل گیا کہ یہ جس فرق پرچلے  
دامن بچھا سپر کا ' نہ چھوڑا کمند کو  
مقراض بن کے قطع کیا بند بند کو

حضرت عباس کی جنگ

یہ سن کے ہوتے سب قدر انداز قضا را نہرہ اسد حیدر گزار نے مارا  
صحراے پر آشوب لگا گونجیے سارا معلوم ہوا شیر ، نیستیاں میں ڈکارا  
اُڑتے ہوئے مرغسان چمن دشت سے بھاگے  
صحرا سے چلے شیر ، ہرن دشت سے بھاگے  
بڑھتے تھے کہ دھوار کی گردن پہ لگا تیر آتا تھا اُدھر سن سے کہ توسن پہ لگا تیر  
کھینچا اُسے گردن سے کہ جوشن پہ لگا تیر پھر تاب کہاں شیر کے چمبن پہ لگا تیر  
اُس خشم میں پر خشم فزوں ہو گئیں آنکھوں  
دلگوں [۱] کا لہو دیکھ کے خوں ہو گئیں آنکھوں

تلوار

کس گر و فر سے فوج پہ تیغ جری چلی ہر سر پہ کھیلتی ہوئی گویا پری چلی  
خشکی پہ گہ [۲] چلی کبھی سوئے تری چلی خالی کیا صفوں کو لہو میں بھری چلی  
ظاہر تھی ہانکین سے کچی ، رنگ لال تھا  
تلوار تھی کہ خوں کی شفق میں ہلال تھا  
زیر سپر آزا کے کلائی نکل گئی چار آنڈے میں برق سی آئی ، نکل گئی  
فولاد کو دکھا کے صفائی نکل گئی دل میں لگی ، چکر میں سمائی ، نکل گئی  
جوشن میں بھی تھما نہ گہا اُس حسام سے  
یوں نکلی جیسے مہابی بے آب دام سے

دکھلا دہی تھی تیغ دو دم تیز دستیاب چشمک یہ تھی کہ اور کرو بت پرستیاب  
کافر شراب کفر کی بھولے تھے مستیاب گل تھا اُچڑ گئیں کئی شہروں کی بستیاب  
کہتے تھے اب نہ پانوں نہ قابو میں ہاتھ بے  
جانبیں کدھر ، غلیم اجل ساتھ ساتھ بے  
بجلی سی گوندتی کبھی بھالوں پہ چل گئی بیٹھی ادھر تو برچھووں والوں پہ چل گئی  
تہنوں پہ کہ چلی کبھی تھالوں پہ چل گئی گے پیدلوں پہ ، گاہ رسالوں پہ چل گئی  
تائیڈ تھی جو فاضل بدر و حنین کی  
لشکر میں شور تھا کہ دھائی حسین کی

وہ تیغ کھا بڑھی اجل جاں سستاں بڑھی      یا اوڈھے کے منہ سے نکل کر زباں بڑھی  
یا برق، ابر سے طرف آسماں بڑھی      یا سہیل، کوہ سے سوے آب رواں بڑھی  
دیکھی نہ جائے امن جو دارالفساد میں

خالی کی شہسوار نے کاٹھی جہاد میں  
یوں مہمان سے ہوئی وہ جلالت فریں جدا      قل تھا کہ دست برگ سے ہے آستیں جدا  
تن سے جدا ہے روح، مکمل سے مکمل جدا      معلمہ جدا ہوں آئیے فتح میں جدا  
دخ سے وہ ہمت کٹی جو ردا تھی رکی ہوئی  
گوپا دلہن [مکھانے] سے نکلی چھکی ہوئی

جب سرکشوں نے تیر لگائے جناب کو      تولا جری نے ہاتھ میں تیغ خوش آب کو  
لے دم، یہ تاب کب تھی پھر اُس برق تاب کو      دیکھا اُٹھا کے سر، سپر آفتاب کو  
چمکی تو ”یا محفوظ“ ملک کپ کے ہمت گئے  
[تھرا] کے سب خطوط شعاعی سمت گئے

بھڑکی اک آگ، برق چدھر آئی تیغ کی      تھلدا تھا، جس نے گرم ہوا کھائی تیغ کی  
وہ صف دری، وہ معرکہ آرائی تیغ کی      تھی دوسرے اجل بھی تماشائی تیغ کی  
قبضے میں موت تھی، تو اجل اختیار میں  
بسمل بھی لوتتے تھے مزا تھا یہ وار میں

چوہر میں، کس میں، کات میں، وہ الجواب تھی      فاری جو آگ تھے تو وہ شمشیر آب تھی  
بڑھنے کی پرچھو کو نہ تھروں کی تاب تھی      بے چلہ ہر کمان کیانی خراب تھی  
افتادہ تھیں زمیں پہ سلمانوں نئی ہوئی  
خاندان دکھا دھ تھے زبانیں کٹی ہوئی

کست جائے جب زباں، تو بھر کام کیا کرے؟      زیں سے نہ کھلیج سکے، تو تیر کام کیا کرے؟  
بجلی کرے، تو مغفر سر کام کیا کرے؟      تیغ اجل کرے، تو سپر کام کیا کرے؟  
موت آئے جب، تو قلعة آئین بھی ہوجھ ہے  
چار آئیہ بھی ہوجھ ہے، جوشن بھی ہوجھ ہے

اُس شول میں موت آئی چدھر آگئی تلوار      دھانوں کی گھٹا فرق سے سرکا گئی تلوار  
اک دم میں لہو خاک پہ برسائی گئی تلوار      جو آگیا قبضے میں اُسے کھا گئی تلوار  
تھی ختم مصائبی زبیں اُس آفت جاں پر  
دیکھانہ نہ ملے پر کہیں خون تھا نہ زباں پر

حضرت عباس کا گھوڑا

ستھراؤ کر رہی تھی اُدھر تیغ سر بلبلند  
 پامال کر رہا تھا اُدھر فوج کو سمبلند  
 گردش تھی اُس کی آہوے خورشید سے دو چلند  
 سرعت سے جست و خیز سے دم تھا پری کا بلند  
 جس پر رکھا جھپٹ کے قدم وہ فلما ہوا  
 پھرتا تھا فوج شام میں بجلی بلما ہوا  
 چمکے جو نعل، تیغ چکاروں پہ چل گئی  
 شوخی سب آہوان ختن کی نکل گئی  
 چاروں سموں سے اُس کے صبا منہ جو مل گئی  
 سمٹتا لہا بدن کو، کلموتی بدل گئی  
 اُڑنے کا تھا ت دیکھ کے پریاں اُچھل پڑیں  
 سیلے سے ملہ ملا دیا آنکھیں نکل پڑیں  
 دو مل کے جھلکے جو اگڑ آئے پے نہر  
 جولن کیا دلیر نے رخس چہاں نور  
 بس ایک ضرب تیغ میں دونوں تھ گرد برد  
 بسمل اُدھر یہ گرم زمیں پر اُدھر وہ سرد  
 گرتے ہی بلند جامہ مستی کے کھل گئے  
 معلیٰ ہو اک پہ تیغ دو دستی کے کھل گئے

گھوڑا

غل تھا پری خصال ہے شدید برق [تاز]  
 تھمتا نہیں زمین پہ، اللہ دے، تیرا ناز  
 طاؤس دشت میں، تو ہوا پر ہے شاعراز  
 بجلی کی ہے تڑپ وہ جواہر نگار ساز  
 نوری کا حسن چہرے سے پیدا ہے گرد میں  
 تھمتا الھلک کو بانڈ ہے رستم نہر میں  
 پاکھر ہے آہلی، کہ ہے جوشن میں جسم سام؟  
 لہلی کے دونوں ہاتھ ہیں گردن میں، [یہا] لگام

رخشاں رکاب ہے ، کہ ہلال فلک مقام ؟  
 اُنڈا ہو تیز گام ، فرس کا نہیں یہ کام  
 اُنڈا سمت سمت کے قریب ہے شہر کا  
 آہو کے ہاتھ پانوں میں ، سینہ ہے شیر کا  
 بکھرے ہوئے ایال کے گردن پہ بال تھے  
 طاسوں سرنگوں تھے پریشاں غزال تھے  
 ابتر تھے مورچے ، تو پرے پائسالت تھے  
 خوں کی حلا سے [زانوؤں] کے پانوں لال تھے  
 تھکتا نہ تھا کہ اُس کے قدم راہ حق میں تھے  
 نعلوں کی صو سے چار مہ نو شفیق میں تھے  
 جب دور دور ہست گئے نزدیک سے عدو  
 تھہرا فرس کو روک کے دم بھر وہ نیکو  
 ناکہ وہاں سے ایک سلحشور جنگ جو  
 آیا اُنڈا کے رخشاں کو اکبر کے دو برو  
 نعرہ کیا کہ دستم و سپہراب و سام ہوں  
 میں یکے ناز فوج دلبران شام ہوں

جناب امام کا سر

اُس وقت پہنچتی زیب ناساد [و] نوحہ گر  
 جب شہر ہاتھ میں لھے جاتا تھا شہ کا سر  
 بکھری ہوئی تھیں چہرے پہ زلفوں اُدھر اُدھر  
 رخسارے دونوں زرد تھے اور ہونٹ خوں سے تر  
 تھی خاک ، سجدہ گاہ جہیں پر حسوں کی  
 آنکھوں کھلی تھیں فاطمہ کے نور میں کی  
 قرآن پڑھ رہا تھا سر ابن بو تہراب  
 اور دھیں میں کھلا ہوا تھا جا بجا خضاب  
 روشن تھا بعد قتل بھی رخ مثل آفتاب  
 ظاہر تھا یہ لہروں سے کہ پایا نہیں ہے آب  
 آنکھوں سے یہ عیاں تھا کہ دنیا سے جاتے ہیں  
 ثابت یہ خشک ہونٹوں سے تھا مسکراتے ہیں



بے وطنی

انسان کے لیے موت ہے غم بھو وطنی کا  
جساکا ہے اندوہ و الم بھو وطنی کا  
صدمہ نہیں کچھ موت سے کم بھو وطنی کا  
آفت ہے قیامت ہے ستم بھو وطنی کا  
قریبت میں چمن ہے خس و خاشاک سے بدتر  
گر تخت سلیمان ہو تو ہے خاک سے بدتر  
ہمراہ جو سو طرح کی راحت کا ہو سامان  
پڑمردگی دل نہیں جاتی کسی علوان  
پھرتا ہے نظر میں چمن بزم عزیزاں  
ہوتا ہی نہیں غلچہ خاطر کبھی خلدان  
ہر گام پہ چشموں سے چھلک پڑتے ہیں آنسو  
شہنم کی طرح رخ پہ ٹپک پڑتے ہیں آنسو  
یہ حال مسافر ہی پہ کچھ خوب ہے روشن  
بلبل بھی پھوکتی ہے جو چھٹکتا ہے نشوون  
یسا آتی ہے آسودگی راحت مسکن  
ہوجانا ہے دافوں سے جگر غہرت گلشن  
سچ ہے کہ غم بھو وطنی سخت الم ہے  
پھر آنے کی آمہد نہ ہو جب ' تو ستم ہے

سلام

مزا نہیں ہے خاموشی کا خوش بھان کے لہے  
زباں ستن کے لہے ہے ستن زباں کے لہے  
نہ سوئے رات کو امت کے غم سے ختم رسل  
معاذلت میں کہاں نہلد پاسداں کے لہے ؟

ریاض دھر میں ہم مثل سرو ہیں آراک  
سوالے بے ثمری کچھ ثمر نہیں رکھتے  
ہلر کو عیب سمجھتے ہیں اس زمانے میں  
ہزار شکر کہ ہم کچھ ہلر نہیں رکھتے

مسافران عدم کس طرف گئے یارب ؟  
کہ وہ ہماری ' ہم اُن کی خبر ' نہیں ' دکھتے

عقدہ سلک گھر ' اے دیدہ تر ' کھول دے  
اہر نہیںاں پر برس کے اپنے جوہر کھول دے  
گر ہوا ' بلند نقاب روے سرور کھول دے  
کور مادر زان ' آنکھیں مثل اختر کھول دے  
تھرگی ظلمات کی کیا تھی سیاہی اس کی آنکھ  
قبر ہے یہ قبر ' آنکھیں ' اے سکندر کھول دے  
دست قدرت ہے کسی کا یہ کہ پھر باندھے اُسے ؟  
جس گڑے کو ناخن تدبیر چھدر کھول دے

تمام عمر تو بوداریاں دھوں افسوس عدم کو قافلہ جانے لگا تو خواب آیا  
سفید بال چمکے لگے تو چونکے ہم کھلی تب آنکھ کہ جب سر پر آفتاب آیا

خود نمائی تلگ ہے روشن دلوں کے سامنے  
کس طرح ظاہر کرے باطن کا [۱] جوہر آئندہ

حشر تک اُن کی چمک میں نہ زوال آئے گا  
دیکھ ' اے چاند ' مرے آنسوؤں کے تاروں کو

کدھر تلاش کریں تم کو ' اے عدم والو '  
کہاں گئے ؟ کہ کہیں نقش پا نہیں ملتا

ادنیٰ اعلیٰ سے بڑھ گئے ہیں ' قطارے دریا سے بڑھ گئے ہیں '  
کم ظرف حباب ہیں یہ سر کھس بے معز ہوا سے بڑھ گئے ہیں

خلس دل کی بے چوں دکھتی ہے ' یارب '  
یہ کانتا نکل جسامے پہلو سے میرے

دیکھ عبوت سے ذرا گور غریباں کی طرف  
استخوان قبر کے اندر ہیں ' تو پتھر باہر

سلامی جس کو سمجھتے ہیں سب کہ ماہ یہ ہے  
 نشان کفیں رسول فلک پناہ یہ ہے  
 کیا ہے چرخ چہارم نے تاج سر جس کو  
 سر بلال کی اُتری ہوئی کلاہ یہ ہے  
 جہاں وہیں زیست ہے اک دم کی روشنی "مونس"  
 ہمیشہ اس کو سمجھ شمع صبح گاہ یہ ہے

گرچہ ہانڈ کماں گوشہ نشین ہے "مونس" تھر آہوں کے نکل جاتے ہیں اکثر باہر  
 فیض خاموشی نے ذکر خوش بیانی کر دیا ہر سر سو کو زبان بے زبانی کر دیا  
 آئی بالوں میں سفیدی ' تاکجا یہ ففلیکوں ؟  
 "مونس" اب چونکہ کہ آ پہنچا ہے سر پر آفتاب

#### رباعیات

مولا' یہ ظہور سب ہے دم کا تھرے خورشید نشان ہے قدم کا تھرے  
 کہتے ہیں بہشتی جسے تھر کوثر ایک قطارہ ہے دریائے کرم کا تھرے  
 ضائع نہ کر آغوش کے پالے دل کو؛ کرتے ہیں پسند درد والے دل کو  
 منظور اگر ہے زاد راہ عقبی ' سب چھوڑ کے دنیا سے اُٹھا لے دل کو  
 تھر غم شہ سہلے میں پڑوستہ ہے ایک ایک کا دل درد سے وابستہ ہے  
 ہو رنگ کے گل جمع ہیں اس محفل میں یہ بزم عزا خلد کا گلدستہ ہے  
 خاموشی میں یاں لذت گویائی ہے آنکھیں جو ہیں بلد عین بیانی ہے  
 نے دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد مرتد یہ عجب گوشہ تلہائی ہے

## نفیس

مہر خورشید علی "نفیس" مہر انیس کے بڑے بیٹے نہایت ملکہسور مزاج، قابل اور خواہش گو شاعر تھے۔ اردو میں اپنے والد مہر انیس ہی سے اصلاح لیتے اور فارسی میں مفتی مہر محمد عباس سے مشورۃ سخن کرتے تھے۔ ان کے مرثیوں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ۸۵ برس کی عمر میں ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۱ء) میں وفات پائی [۱]

صفائی اور روانی میں مہر انیس کا رنگ جھلکتا ہے، زبان نہایت صاف اور سلیس ہے۔ بیان میں شگفتگی اور تسلسل پایا جاتا ہے۔ قوافی بہت لاتے ہیں، مہر انیس کی طرح ان کے مرثیوں میں بھی بلند والا شعر اکثر بہت بلند ہوتا ہے۔

## مرثی

تعلیٰ

اُس مے کا میں نوشیدۂ ہوں مستی نہیں جس میں  
حاصل وہ بلندی ہے کہ پستی نہیں جس میں  
آوارۂ صحرایہ ہوں گریستی [۲] نہیں جس میں  
اُس ملک میں بستہ ہوں کہ پستی نہیں جس میں  
رنجش نہیں، کھٹکا نہیں، آزار نہیں ہے  
اُس باغ کا بلبل ہوں جہاں خار نہیں ہے

۱—تاریخ ادب اردو ص ۳۳۲ ج ۱ - و تذکرۂ آب بقا - [۲]—نل (کے ہستی) -

سرگشتہ و شہدائے مصیبت ہوں ازل سے  
 آلودہ رنج و غم و مصیبت ہوں ازل سے  
 بالشدہ ویرانہ زحمت ہوں ازل سے  
 مستغرق دریسائے مصیبت ہوں ازل سے  
 سب رو دیے [۱] جب میں نے دم سرد بہرا ہے  
 رگ رگ میں مری، خوں کے ہوض درن بہرا ہے  
 وحشت دل عالم کو ہے ویرانے سے مہرے  
 آرام زمیں کو نہیں گھبرانے سے مہرے  
 راحت سے کوئی دل نہیں غم کھانے سے مہرے  
 بلبل کا جگر چاک ہے چلانے سے مہرے  
 وہ کون سے گل ہیں جو پیریشاں نہیں ہوتے  
 قلچہ بھی مجھے دیکھ کے خلدیاں نہیں ہوتے

رجز

دن سے اسد اللہ کے پیسارے نہیں ہتکتے  
 گردوں پہ جو ثابت ہیں ستارے نہیں ہتکتے  
 اشار کو بے جان سے مارے نہیں ہتکتے  
 بڑھتے ہیں تو پھر پانو ہمارے نہیں ہتکتے  
 دے جن کو خدا اوج وہ چھکتے ہیں کسی سے؟  
 بہتے ہوئے دریا کہیں رکتے ہیں کسی سے؟

حضرت علی اکبر کا سراپا

بتکشی ہے خدا نے انہوں تو قیام مصیبت گیسو ہیں کہ ہے زلف گہرا گہر مصیبت؟  
 چہرہ ہے کہ آئینہ تصویر مصیبت باتوں میں ہے رنگیلی تقریر مصیبت  
 شوکت وہی [پوشش وہی] دستور [۲] وہی ہے  
 نقشہ وہی، انداز وہی، نور وہی ہے  
 گیسوے دل آویز ہوں یا سبیل جلت؟ یہ روے دل افروز ہے یا صبح صباحت؟

رخسار ہیں یا جلوۂ اُٹھلے قدرت ؟ آنکھوں میں کہ سرچشمۂ اعجاز و کرامت [۱]؟  
طالب نہیں پانی کے ، چھا مہر دہن ہے  
یہ آنکھ میں پتلی نہیں گھونگھٹ میں دلہن ہے

#### آمادگی جنگ

بچوں نے آستینوں کو اُلٹا جلال میں کچھ کثرت سپاہ نہ لائے خیال میں  
یوں نیسچے علم گئے جنگ و جدال میں دو بجلیاں چمک اُٹھیں دشت قتال میں  
آمادۂ نبرد جو دونوں جری ہوئے  
شکلیں بلنا بلنا کے فوس بھی پری ہوئے  
دو بجلیاں سی کوند اُٹھیں دن میں دو طرف فل ”الامان“ کا تھا صف دشمن میں دو طرف  
سر لوٹتے تھے خاک پہ اُس دن میں دو طرف تھا طرفہ تفرقہ سر و گردن میں دو طرف  
پیدل میں تھی نہ جان ، نہ دم تھا سوار میں  
ساری صف آدھی ہو گئی پہلے ہی وار میں

#### تلوار

یہ تیغ وہ ہے سیل فلنا کہتے ہیں جس کو  
یہ برقی وہ ہے قہر خدا کہتے ہیں جس کو  
بازہ اِس کی وہ آفت ہے بلا کہتے ہیں جس کو  
مٹہ اِس کا وہ مٹہ ہے کہ قضا کہتے ہیں جس کو  
جانی نہیں بے جاں لہے جب آتی ہے سر پر  
ثابت نہیں ہوگا کہ یہ کب آتی ہے سر پر

#### میدان جنگ

طلبور کا وہ شور ، وہ شہباز [۲] کا خروش قزاقی وہ صدا کہ پھٹیں پردہ ہائے گوش  
شوغائے زیر و بم سے لہو مارتا تھا جوش نے کی صفیر تھی کہ اُڑے طائروں کے ہوش  
سارے درندے شور دھل سے دھل گئے  
صحرا کے شہر چھوڑ کے جنگل نکل گئے  
پہم پکارتے تھے نقیبان زشت خو نام آوروں کو دھتی ہے عزت کی آرزو

[۱]—ڈل (اعجاز کرامت) -

[۲]—شہباز و شہباز ' ہر وزن بے نور : ثاے (وصی) برہان قانع و ٹرہنگ اندراج -

جانہیں لڑا دو آج ، جوانو ، کھار جو موتی کی آب ہے جسے کہتے ہیں آبِ زو  
کرلو اسود یوں انہیں حلقے میں گھیر کے  
جس گھات سے پکڑتے ہیں بچوں کو شیر کے

---

دھواڑوں کی تعریف  
جس صف پہ جس پرے پہ یہ گھوڑے دہشت کے آے  
یوں آئے چھوٹے شیر گرسنہ جھپٹ کے آے  
مثیل تگرگ دہشت پہ سر تن سے کت کے آے  
گھوڑوں سے خاک پر تن بے سر اُلت کے آے  
سب خاک میں ملے جو غرور اُن کے سر میں تھے  
سہیلوں میں گردنیں تھیں تو سہیلے کمر میں تھے

---

## نور

میر وزیر [۱] ”نور“ میر بادشاہ لکھنوی کپتان قہرورپور کے بیٹے ’فتح پور‘ میں دیوانی کے سررشتہ دار تھے - واجد علی شاہ کے زمانے میں امین ہوئے - ان کے والد اُس زمانے کے مشہور مرثیہ گو تھے - ”نور“ کو ابتدا ہی سے شعر و سخن کا ذوق تھا - شیخ امام بخش ”ناسخ“ نے ”نور“ تکمیل تجویز کر کے اپنے شاگرد رشید مرزا محمد رضا ”برقی“ کے سپرد کیا - ان کا دیوان ”ضیاء نور“ کے نام سے ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ع) میں چھپ چکا ہے -

تغزل میں ”ناسخ“ کا رنگ ہے ’رہایت لفظی کا برا خیال دیکھتے ہیں‘  
اس لیے غزل کی خصوصیت مفقود ہے -

### غزلیات

اے بتو، ہجر کی تکلیف کو کیا پوچھتے ہو؟  
رنج وہ دل نے اُٹھایا کہ خدا یاد آیا

نہ داں ملتی، تو پھر داں خواہ کیا کرتا؟ خدا کے سامنے عذر گناہ کیا کرتا؟  
مواخذہ نہ بتوں سے تھا حشر میں منظور، خدا کو ظلم و ستم کا گواہ کیا کرتا؟

کسی میں نام کو بے وفا نہیں باقی: ہر ایک گل چمن روزگار میں دیکھا  
سفید بال ہوئے موسم جوانی میں خزاں کا رنگ شروع بہار میں دیکھا

دل میرا مہر یاد الہی تھا اے بتو، تم آئے سامنے تو مرا دھیان بت گیا  
کہئے دو، اگر خلق برا کہتی ہے مجھ کو؛  
وہ کون ہے جو عشق میں دسوا نہیں ہوتا؟

[۱] — سخن شعرا میں میر وزیر علی نام لکھا ہے -



شکلِ گل ' زر ہمیں خدا دے گا : چو بکاڑے گا وہ بنا دے گا

پہرتے ہوں آسمان کی طرح فکرِ رزق میں :  
اِس کی نہیں خبر کہ ملے گا کہاں سے کیا ؟

کیوں اُڑا کر ' اے صبا ' مٹی مری یرباد کی ؟  
 خاکِ پایے یار تھا ' گودِ بیابان ' میں نہ تھا ؟  
 قطع ' اے دل ' کب ہوا جوشِ جنوں کا سلسلہ ؟  
 کب اسہرِ حلقہٴ گیسوے پہنچاں ' میں نہ تھا ؟

بارِ فراق یار بھی بارِ عظیم ہے ' اے آسمان ' یہ بوجھ اُٹھے گا زمین سے کب ؟

خالی نہیں کٹائے سے صاحب کی کوئی بات :  
 ثابت ہوا ہمیں کہ نہایت ہوں دور آپ

بنے ہیں خون کے دھبوں سے طرفہ گلِ برقعے :  
ترے شہید کے زخموں سے ہے کفن کی بہار

لائی ہے "نور" منجھ کو خراباتِ دھرم میں ملکِ عدم سے عالمِ ایجاد کی ہوس  
 پہنچتا ہے جستجو میں تری کوہِ طور پر اللہ دے ' تیرے طالبِ دیدار کی تلاش !

ہے دل کو چشمِ ساقیِ گلشنام سے غرض :  
شیشے سے مدعا ہے نہ کچھ جام سے غرض

نغمہ سلجی سے تری ' دل کو مزا ملتا ہے  
پھر اُسی لطف سے کر ' باغ میں نالے ' بلبل

اے بتو ' ہم نے تم کو پہنچانا بِخدا ' قدرتِ خدا ہو تم

یہی دو بول کہہ کے ہمارے ہوں : تم ہمارے ہو ' ہم تمہارے ہوں

ظاہر ہے یہ ثباتیِ گلِ باغِ دھرم میں ہم کس امید پر ہوس رنگِ ربو کریں ؟

ہے دل پروانہ سوزاں بزم میں شمعِ یہ روشن سر مستدل نہیں

یار کا حال مساوی ہے مری جانب سے :  
نہ برا کہتے ہیں ظاہر میں ، نہ اچھا دل میں

نہ مصرصر ، نہ باد صبا چاہتا ہوں ؛ جنوں خیز ہو ، وہ ہوا چاہتا ہوں  
مجھے دوست دشمن برابر ہیں دونوں : بروں کا بھی اے دل ، بھلا چاہتا ہوں

چوہا ہے نشہ زر ، رات دن بھڑھو رہتا ہے :  
خبر اپنی نہیں ملعم کو ، غافل اس کو کہتے ہیں

جب سے اُس گل نے گرایا آنکھ سے ، سب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوں  
اب گزارے پر چہازِ عمر ہے ؛ ایک دن دریائے ضم سے یار ہوں  
لشکر دیوانگان ہمارا ہے ، میں جنوں کا قافلہ سالار ہوں

دور فلک کے ہاتھ سے جاؤں کہاں نکل کے میں ؟  
کون سی وہ زمین ہے جس پہ یہ آسمان نہیں ؟

شکوہِ جورِ بتانِ عشق میں لا حاصل ہے ؛ رنج اُٹھانے کو بنایا تھا خدا نے ہم کو  
سائے کی طرح رہے ساتھ پر یزادوں کے : آپ پامال کھا اپنی وفا نے ہم کو  
اے دل ، فراقِ یار میں لے چل وہاں مجھے ، جس جا یہ آسمان نہ ہو ، یہ زمین نہ ہو

دل بنایا جس نے اُس کی شان دیکھا چاہیے  
کھا مکان کو دیکھتا ہے ؟ سورے صاحب خانہ دیکھ

کھا نشانِ دوس کہ رشک آتا ہے ؟ میں چلوں آپ نامہ بر کے ساتھ  
اُگے مزے دھری رہیں شب بھر گلابیاں ؛ دیکھا کھا میں ساقی پوسھاں شکن کی راہ  
اُنہیں تو آنکھ مد نظر ہے ، یہاں دو دو پھر زانو پہ سر ہے  
تمام رات مجھے بیقرار رکھتا ہے : مزے عجیب ترا انتظار رکھتا ہے

برقِ نگاہِ یار بھی کھا [۱] کام کر گئی عمر دو روزہ ایک نظر میں گذر گئی  
وہ آچکوں ، تو روح کرے جسم سے سفر یارب ، ہلاک ہوں میں مسیحا کے سامنے

پاس جانا کہاں نصیب ہمیں ؟ دور سے دیکھنا غلہمت ہے  
 رات دن اُس کا نام جھٹتے ہیں : عاشقوں کی یہی عبادت ہے  
 تیرے قدموں پہ دم نکل جائے : بس یہی دل میں ایک حسرت ہے

یہ مسرت تھے کہ موثر نہ ہم کو بلد ہوئی  
 کھلی حقیقت دنیا جب آنکھ بلد ہوئی

ہم جو تھے ملک عدم میں تو بڑی راحت تھی  
 رنج اُٹھانے کے لئے جانب دنیا آئے

نہ دیا ساتھ مصیبت میں کسی نے اپنا خوب ہم اللہ یاران وطن دیکھ چکے

زادہ ، عشق مجازی ہے حقیقی کی دایرہ :  
 عشق کامل جو بتوں سے ہو ، خدا ملتا ہے

یارب ، مدام اوج پہ حسن بتا رہے مثل زمیں قدم کے تلے آسمان رہے

تپ فراق کی سوزش کو پوچھتے کیا ہو ؟  
 جگر میں آگ لگی ہے ، بجھا نہیں سکتے

حال قسمت کا جواب خط جاناں سے کیلے  
 وہ جو نامہ مجھے بھیجے خط تقدیر بلے

ہم سا عالم میں نہ ہوگا کوئی گم کردہ حواس  
 یہ نہیں یاد کہ ہم دل کو کہاں بھول گئے

شبِ درد و غم یوں بسر ہو گئی : تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی

## منیر

اسمعیل حسین ”منیر“ سید احمد حسین ”شاد“ کے بیٹے شکوہ آباد ضلع میں پوری کے رہنے والے تھے - ۱۲۲۹ھ [۱] میں پیدا ہوئے - اپنے خود نوشت سوانح میں لکھتے ہیں کہ بچپن سے اُن کی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی، پہلے ”فاسخ“ سے اصلاح لی، پھر میر علی اوسط ”رشد“ کے شاگرد ہوئے، عرصے تک لکھنؤ میں رہے اور یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی - لکھنؤ ’مرشد آباد‘ کانپور کے مشاعروں میں اکثر شرکت کی [۲] اُن کے تین دیوان کلیات کی صورت میں چھپے ہیں، فخر میں کئی رسالے، اعلان الحق، سراج السیور، تذکرۃ الشعراء، بغضائل الثملین، امان المؤمنین عن مکائد الشیاطین، بھی اُن کی تصنیف ہیں - شہر کے بعد ایک قتل کی سازش میں اُن پر مقدمہ قائم ہوا اور کالے پانی کی سزا تجویز ہوئی - ۱۸۶۰ء میں قید سے رہائی پائی - آخر عمر میں نواب کلب علی خاں کے عہد میں رام پور میں قیام کیا اور یہیں ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۱ء) میں وفات پائی -

نہایت ذہین اور پر گو شاعر تھے، ہر صنف میں اُن کے اشعار کثرت سے موجود ہیں - قصیدے کی سی پرگوئی غزلوں میں بھی ہے - ایک ہی طرح میں تین تین چار چار غزلیں ۳۲ اور چالیس اشعار سے زیادہ کی موجود ہیں - یہی وجہ ہے کہ غزل میں قصیدے کا زور ہے لیکن غزل کی خصوصیات، سوز و گداز اور آمد کا لطف موجود نہیں - قصائد میں بھی اگرچہ سب کچھ ہے لیکن تسلسل مضامین اور ترتیب اکثر جگہ مفقود ہے -

[۱]—دیوان اول (کلیات منیر) کے دیباچے میں جس کا تاریخی نام منتخب العالم (۱۲۶۲ھ) ہے، لکھا ہے کہ ۳۵ برس کی عمر میں منیر نے یہ دیوان تصنیف کیا تھا - اس حساب سے سال ولادت ۱۲۶۲—۱۲۲۹-۳۵ھ ہوتا ہے -

[۲]—تاریخ ادب اُردو ص ۲۸۱، ج ۱ - و مقدمہ دیوان اول (کلیات منیر) شکوہ آبادی -

### مناجات

یہی اُمید ہے فضلِ عمیم حق تعالیٰ سے  
 کہ جب تک لطفِ گردہں گزیدہ گردوں کو حاصل ہو  
 نمایاں زہرِ گردوں رات دن ہو جس زمانے تک  
 قمرِ خورشید سے تلویح کا جب تک کہ سائل ہو  
 پسندِ خاطرِ مردم مرا دیوان ہو پیارب  
 جو دیکھے اہل علم و فضل میں وہ اس کا مائل ہو

یہ عرض ہے نری درگاہ میں خداوند! کہ تیرے دل میں نہایت گناہگار ہوں میں  
 مکان ہے دلِ کافر سے تیرے تر مورا سیاہ بخت میں پیارب، سیاہکار ہوں میں  
 بلند ہے عرقِ انفعال کا طوفانِ وفورِ جرم سے اس درجہ شرمسار ہوں میں  
 یہ العجا ہے کہ بہرِ نبی و آلِ نبی معاف کر مجھے تیرا قصور وار ہوں میں

### غزلیات

دیوانوں کو نہیں خبرِ دوزخ و بہشت اللہ کو ہے علم ہمارے مآل کا  
 اچھی نہیں ہر لحظہ ”مادر“ اشکِ فشانے  
 کرتا ہوں نہ کھل جائے کہیں راز تمہارا  
 بہتکے پھرے دو عالمِ دیر و حرم میں ہم  
 اس سمتِ کفر، اُس طرفِ اسلام لے گیا  
 میں جسے کفر میں پہنچتا خدا کے پاس  
 کعبہ تک ان بتوں کا مجھے نام لے گیا

پیغمبر نے شراب، مجھے بیوقوفی ہوئی نشہ چڑھا کسی کو میں بدھوش ہو گیا  
 طالع جگائے آپ نے اربابِ عشق کے یوسف کا حسن، خواب فراموش ہو گیا

بمسل کے بھی تزیینے کو ملتی نہیں جگہ  
 کیا عرصہ حیاتِ جہاں، تلک ہو گیا

آنکھوں میں پھرتی ہے اُس غیبتِ لیلیٰ کی شادیہ  
 پردہ چشم کو میں پردہِ محفل سمجھتا

خلعت مجھے وحشت نے دیا وسعت دل کا  
جامے میں مرے دامن صبرِ نظر آیا  
مل مل گئے ہیں خاک میں لاکھوں دل روشن  
ہر ذرہ مجھے عرش کا تارا نظر آیا

جان کر اُس بیت کا گھر کعبہ کو سجدہ کر لیا  
اے برہمن، مجھے کو بیت اللہ نے دھوکا دیا

قم سمجھے ہیں، پر غمزدہ بھجنا نہیں اُٹھتا  
مرتے ہیں مگر ناز مسیتا نہیں اُٹھتا

سیلے سے عیاں ہے دل دیوانہ ہمارا دیواروں سے چھپتا نہیں ویرانہ ہمارا  
جانے کو تو جاؤ گے زرا اور تھہر جاؤ ہشیار تو ہو لے دل دیوانہ ہمارا  
مذہ سے نکل آیا ہے جگر، اُنہیں کرتے دل دیکھ لے اے ہمت مردانہ، ہمارا  
دنہائے دوس میں دل مجھے لایا بہشت سے خانہ خراب اور کرے گا قصور کیا

تمہارے گھر سے پس مرگ کس کے گھر جانا؟  
بتاؤ، آپ سے جاتا تو میں کدھر جاتا؟  
اجل کے بھڑس میں موری تلاش کر لیتے  
وہ آپ تھوند کے لے آتی میں چدھر جاتا

دل ترا، جان تری، عاشق شیدا تیرا  
سب یہ تیرا ہے تو پھر کس لئے ”مہرا“ تیرا؟

داغ گداز ہوں گلی بستانِ مغفرت آئے اگر مدینے سے چھونکا نسیم کا

آج پر کیا ہے، ہمیشہ تھی لطافت پردہ دار  
کب ترا جسم، اے پری، پوراہنِ جاں میں نہ تھا

دنیا و دیں سے جس نے نکالا کھوئے کھوئے  
یادش بختیہر وہ دل خانہ خراب تھا  
بھگانہ نہک و بد سے رہا ہر لباس میں  
کانچا بہار میں، تو خزاں میں گلاب تھا

دنیا و دیں کو چہرے کے کس سمت کھو گیا  
تھوندو یہیں کہیں دل خانہ خراب تھا

اک روز بھی نہ کوچے میں اُس کے گذر ہوا  
سو سوتلہ زمانہ ادھر کا ادھر ہوا  
دشمت چلوں سے نقش کف پا اُلجھ پڑا  
شکر خدا کہ پانو مروا درمیاں نہ تھا  
بجلی تھی مہربان' کبھی آتیش بہار  
صد شکر' بے چراغ مرا آشیان نہ تھا  
عمر و فتح کے تقدص کو گیا تھا لیکن  
حشر تک طالع برگشتہ نہ پھر کر آیا

اُن کے جاتے ہی نہ تھہرے گی بہار بزم عیش  
ساتھ اپنے ایک دل سارا چمن لے جائے گا

گواہ تیر نگہ بھی' اجل بھی شاہد ہے  
تمہارے سامنے میں جان بھیج کر آیا  
دنیا سے ہے باہر دل دیوانہ کسی کا  
بستی میں سماتا نہیں ویرانہ کسی کا  
ساقی کے قدم لیلے سے کیا ہاتھ لگے گا  
دل تھام لے اے لغزش مستانہ' کسی کا  
گھر پھونک دے اے برق جہاں سوز' خدا را'  
چلنے ہی سے روشن ہو سیہ خانہ کسی کا  
نہل آتی ہے ہر ایک کو آغوش لحد میں  
شاید کہ اجل کہتی ہے افسانہ کسی کا  
جاگی ہوئی تقدیر نہ سوچاے شب وصل  
لہ نہ کہواؤیے افسانہ کسی کا  
ساقی سے دیدار دیے جائیو لیکن  
اتلی کہ نہ لبریز ہو پیمانہ کسی کا

ایلوں کے توڑ چوڑ سے پھلنے میں پھلس گیا  
میرے گلے میں طوق ہے دست شکستہ کا

وصل نے لوت لیا دونوں کو تلہا پا کر  
آج مہرا ہے گریبان نہ دامن اُن کا  
مجھ کو تو اپنی شہادت کا فہ ہوگا دعویٰ  
ہاتھ پہچان نہ لیں خنجر و گردن اُن کا

دل میں ہمارے وحشت مجنوں نے لی پلہا  
مدت کے بعد خانہ خرابی کو گھر ملا  
نقصان کا عوض ہو زمانے میں کس طرح  
چو دن گذر گیا نہ کبھی عمر پھر ملا

بے رنج اُٹھائے ہو نہ سکا اقربا سے مہل  
 میرے گلے سے ہاتھ مرا ڈوٹ کر ملا  
 پایا مزا اُٹھ کر جوانی میں وصل کا  
 قسمت سے ساری رات میں پچھلا پہر ملا  
 ممکن نہیں ہے وصل بتاں بے شکست دل  
 دریا سے جو حباب ملا ڈوٹ کر ملا

لے چلے نفس دنی، بار گزشتہ سوے ہدم      اسی مزدور کے سر پر رہے اسباب ایلنا  
 نیک کے آنے کی لایا ہے خبر پیک اجل      بند دروازہ کر اے دیدہ بے خواب، ایلنا  
 دُھرا کے تھری باتوں کو لیجئے میں ہم مزا      قائم مقام دوسرے لب کا، سخن ہوا  
 اقبال مند تیغ ادا لے کئے پسند      میں کم نصیب ننگ کمد و دس ہوا  
 سوداے دل نے عالم وحدت میں کی جگہ      ہو کا مکان، چوہں جڑوں کا وطن ہوا

مہسلی سے بھی ہے ربط بت خود پسند کا  
 بس اب خدا ہے اپنے دل درد مند کا  
 اپنے سوا نظر نہیں آتا کوئی مجھ  
 سارا ہوا ہوں ایک بت خود پسند کا  
 دو ایک بوندیں خون کی کسی کام آئیں گی  
 کہا لہوں گئے دل دکھا کے کسی درد مند کا  
 تھوکر لگاتے آتے ہیں اٹھکھیلوں کے ساتھ  
 اللہ حافظ اپنے دل درد مند کا  
 جاتی ہے روز خاک مری آسمان تک  
 ملتا نہیں دماغ تمہارے سمد کا

اپنے رتبے سے جو منظور ہے بڑھ کر ہونا  
 اے قیامت، قدم یار کی تھوکر ہونا  
 معمور، خاک نشینوں سے تعلق کب تک؟  
 ایک دن ارض و سما کو ہے برابر ہونا

تمہاری کُلی سے سوے کعبہ جاؤں      خدا سے ڈرو مجھ سے ایسا نہ ہوگا  
 دھے پیاد اے آفتاب قیامت،      جلا کر مجھے تو بھی ٹھنڈا نہ ہوگا



اُٹھے گا غرور اس قدر کس سے ؟ توبہ ، خدا آپ ہونگے ، تو بلدا نہ ہوگا

شاید ننگہ یار ہی اس کوچے میں تھہرے  
اب تک رگ جاں میں کوئی نشتر تو نہ تھہرا

بیتوں کے قد راست پر فحش ہے ناصح یہ بھٹکارا سیدھا ، مسلمان نکلا  
خاک ہو جاؤں جو راہ کعبۂ مقصود میں میری مٹی سے بلے اللہ کے گھر کا جواب  
دکھا کھے ہو کوچۂ بوکانگی میں پانو لائی تمہیں لگا کے مصیبت کی راہ دکھا  
جسو ہے بھٹکانے سب زمانے سے اُس سے دکھا پوچھوں کب ملیں گے آپ  
دکھا کہوں پہلی ملاقات کی بات رات کی رات گئی ، بات کی بات

جو مرگ کچھ نہیں مرض عشق کا علاج  
بیمار پڑ کے بھی نہ مریں ہم تو کیا علاج  
اس شان ، اس شکوہ نے بیتاب کر دیا  
تم ایسے بن کے آئے کہ بتو مرا علاج

ساز عشق سے نکلتی ہے نوائے صبح مہد  
جائے قتل پڑھتے ہیں شہشہ دماے صبح مہد

دل میں طمع زر ہے جدا ، آہ جدا بلد  
اس شہشے میں ہے سارے زمانے کی ہوا بلد

حال پوشیدہ کھلا سامان عبرت دیکھ کر  
پوہ لہا قسمت کا لکھا لوح تربت دیکھ کر  
اس قدر بے خود ہوا آثار وحشت دیکھ کر  
آئنے سے نام پوچھا اپنی صورت دیکھ کر  
جام کوثر ، دست ساقی میں نظر آیا مجھ  
اُٹھ گیا آنکھوں کا پردہ ابر رحمت دیکھ کر  
ملہ ہمارا جلوۂ دیدار کے لائق کہاں ؟  
اپنی صورت دیکھتے ہیں تیری صورت دیکھ کر

آنسو پونچھے یاد آیا جب جوانی کا مزا  
 آنکھیں ملتے رہ گئے ہم خواب راحت دیکھ کر  
 اب نہیں نازک مزاجی سے قوجہ کا دماغ  
 اے اجل ، آنا کبھی ملگام فرصت دیکھ کر  
 تھرے بندے سر جھکاتے ہیں بتوں کے سامنے  
 سجدے کرتا ہوں اُٹھی تیری قدرت دیکھ کر

---

ہو گئی شکست دل جو ترے دست لطف سے  
 یہ شیشہ صاف قوت کے دے گا صدائے عشق

میکدے میں جلوہ گر داغ دل روشن ہوا  
 عرش کا تارا بننا خاموش میٹا میں چراغ  
 خاموش جی جلانے آنسو بہائے سن تو زبان شمع سے یہ ماجراے عشق  
 تقریریں مختلف ہیں ، مگر بولتا ہے ایک  
 باجے ہزاروں بچتے ہیں ، لیکن صدا ہے ایک

---

اب تو روٹھے ہوئے جاتے ہو مگر یاد رہے  
 خواب ہو جائیں گے ہم ، تم کو خیال آنے تک

جی بھر کے گلے خلیجِ ابرو کو لگاتے یارب ، ہمہ تن کس لیے گردن نہ ہوئے ہم  
 دیکھو گے تم کبھی تو مصیبت کی آنکھ سے اُسی وار تم سے وفا ہے وفا سے ہم  
 اکثر وہ دیکھتے ہیں تماشاے بے تکویدی اپنا مزاج پوچھیں گے اُن کی نظر سے ہم

---

منزل وحدت کو کہ کڑی ہے پر یہ مصیبت اُس سے بڑی ہے  
 ہر کسی اپنے پچھتے پڑی ہے ہو کے اکٹھے جانوں کدھر ہم

کعبے سے مجھ کو لائے سوادِ کلمشت میں اصلاح دی بتوں نے خط سر نوشت میں

---

اور مجھ سا جان دینے کا تمنائی نہیں  
 اُس کا شیدائی ہوں جس کا کوئی شیدائی نہیں  
 یا کرو اپنا کسی کو یا کسی کے ہو رہو  
 چار دن کی زندگی میں لطف تنہائی نہیں

سر کو ٹکرا کر مٹایا اپنی قسمت کا لکھا  
 دہر میں، کعبے میں اب فکر چہیں ساٹی نہیں

ملمصور کے مانند سرِ دار بہت ہیں \_\_\_\_\_ حق ایک کا ہے کہلے کو حقدار بہت ہیں  
 ہیبتِ خلافِ عقل گوارا نہیں مجھے \_\_\_\_\_ روزِ ازل سے پھرِ خرد کا مرید ہوں  
 جان پڑ جائے بجاؤ ایک چٹکی تم اگر \_\_\_\_\_ طائرِ رنگِ حلہا ہولے تہارے ہاتھ میں  
 کھینچ سکے تصویر، ہمتابی میں کیا \_\_\_\_\_ ایک صورت پر رہا جانا نہیں

پہلچا جو تیرے کوچے میں خود رفتہ ہو گیا  
 جانا رہا میں آپ سے راہِ نجات میں

اے بت، یہ ہے نماز، کہ ہے گھات قتل کی؟  
 نیتِ ادا کی ہے، کہ اشارے قضا کے ہوں؟  
 اے بت، ہمیں ہیں عاشقِ یک رنگ دھر میں  
 سب برہمن حضور کے، بللے خدا کے ہوں  
 پھراتے ہیں حضور کے ظلموں کی صورتوں  
 ہم بت تراش آپ کے سلگ چفا کے ہیں

لاٹ بے داغ اے بادِ صبا، ملتا نہیں \_\_\_\_\_ باغِ عالم میں دل بے مدعا ملتا نہیں  
 مالِ جہاں سے قید کی مٹی ہی پائیے گا \_\_\_\_\_ ہے ایک مہشتِ خاکِ نصیبِ بغیر میں  
 لوٹیں بہارِ آتشِ رخسار، بلبلوں \_\_\_\_\_ صیاد کا گذر نہیں باغِ خلل میں  
 بعدِ مردن لحد میں گرتے ہیں \_\_\_\_\_ گھر تو بستہ ہے ہم اُجڑتے ہیں  
 ساتھ دے کون راہِ اُلفت میں \_\_\_\_\_ پانروں سے نقس پنا بچھڑتے ہیں

چراغِ لے کے جسے تھوندتے ہیں پروانے  
 ہمارے دل میں ہے وہ شمع، انجمن میں نہیں

راہ میں صورتِ نقس کفِ پا رہتا ہوں \_\_\_\_\_ ہر گھڑی بللے بگڑنے کو پڑا رہتا ہوں  
 بہک کر جلوۂ مستانہ آیا دل کے چھالے میں  
 شرابِ عیشِ دی ساقی نے پر توڑے پھالے میں

تم نے گم نام و حزیں تو سمجھ لکھا ورنہ نام کو بھی خطا نقدیدر میں القاب نہوں

نظر دریا دلوں کو کب ہے بازاری حسیلوں پر  
 انہیں قطرۂ سمجھ چمکے گھڑوں پر جو پھسلتے ہیں  
 ہجوم نزع میں درج رواں سے جسم کہتا ہے  
 زرا اے سانس، دم لے لے کہ ہم بھی ساتھ چلتے ہیں

یہ نہیں ممکن وہ غہروں پر خفا ہو، میں نہ ہوں  
 جس جگہ میرا مقدر لڑ رہا ہو میں نہ ہوں

تھہری ہوائے یار دل چاک چاک میں ہم نے قفس میں بند کیا ہے نسیم کو  
 خلیج ناز سے جب چھوڑتے ہو تم مجھ کو دہن زخم سکھاتے ہیں تبسم مجھ کو  
 کوئی حیلہ تو تعارف کا خوشی سے نکالے کاش تقدیر ہی پر آئے تبسم مجھ کو

سب کہتے ہیں حور ہو، پری ہو کچھ ہم بھی کہیں، جو آدمی ہو  
 قصے میں رہو گے آگ کب تک لو ہوش میں آؤ، آدمی ہو

دونا لازم نہیں دم نزع میری رخصت ہلسی خوشی ہو

بکشمش کی آبرو نہیں رہتی نمود سے  
 یوں چھپ کے دو کہ دست گدا کو خبر نہ ہو  
 چھپ کر لگا لوں کعبۂ مقصود کا پتا  
 یوں تھوٹک لوں کہ قبیلہ نما کو خبر نہ ہو

تھوڑی چڑھا کے پوچھتے ہو، عرض کیا کروں  
 سوچھے گی دل کی بات کرم کی نظر تو ہو

حیا آئیے کو بھی دوہرو آنے نہیں دیتی  
 ترستی ہی رہیں گی تھری آنکھیں تھری صورت کو

سہتا ہوں کہ پہنچتی کوئی فریاد اثر تک  
 اے یاس، خبر لے کہیں میری نہ دعا ہو

روز فراق یار کی کس طرح شام ہو \_\_\_\_\_ ہمدرد ابد ملے تو یہ دن بھر تمام ہو  
شب فراق پسو یارب ، آبرو سے ہو \_\_\_\_\_ نماز صبح گھاہمت اسی وضو سے ہو  
مدت سے چھوٹی ہیں زمیں و فلک ترے ۔ \_\_\_\_\_ آٹھلے در رویہ میں اپنا جمال دیکھ

حج میں جب یاد آئیں وہ آنکھیں \_\_\_\_\_ طاق حرم پر رکھ دی توبہ  
بھر سے پی کر ماتھا کوتا \_\_\_\_\_ پھوٹی قسمت ٹوٹی توبہ

نہ بھولوں تاکہ راحت میں بھی آزار مصیبت کو  
مرے ہو بلند میں غم لے کر دے دی ہے مشکل کی

بھرت سے تک رہا ہے جو ملے ایک ایک کا  
آٹھلے کو تلاش ہے کس کے نظیر کی ؟

دیکھا ہے عاشقوں نے برہمن کی آنکھ سے  
ہو بت خدا ہے چاہلے والوں کے سامنے

دل میں عکس چھوڑ جانا ہے \_\_\_\_\_ آٹھلے کا آٹھلے میں خانہ ہے  
کس طرف کرتے ہو سجدے زاہدو \_\_\_\_\_ کعبہ ایک اجڑا ہوا بت خانہ ہے  
اختلاط اپنے عناصر میں نہیں \_\_\_\_\_ جو ہے مہرے جسم میں بیگانہ ہے  
مہکدے کا کام دل سے لہجہ ہے \_\_\_\_\_ خم کا خم پیمانے کا پیمانہ ہے

دوہا میں بے ثباتی عالم کو دیکھ لے \_\_\_\_\_ جام جہاں نما سے زیادہ حباب ہے  
جانی ہے صفت دولت بیدار ہانہ سے \_\_\_\_\_ للہ اب تو جاگھے تھوڑی سی رات ہے  
دل ہی گیا تو کون بتوں کا کرے خیال \_\_\_\_\_ کعبہ کے ساتھ سنگ پرستی چلی گئی

انگلی اُٹھا کے کہتی ہے ملامد سے یہ دار  
اس راستے سے \_\_\_\_\_ شہر وصال ایک مہل ہے

برنگ شمع خموشی سے باتوں کرتا ہوں \_\_\_\_\_ زبان قطع ہوئی پر ہے گفتگو بانی

زردی رنگ عشق نہیں اور رنگ میں  
مہرے ہی رنگ سے مری تصویر کھینچتے

غہروں کے پائو پتے نہ آئیں گے تھرے گھر یوں ابھریاں رگڑ کے بھی مرنا قبول ہے  
 صدم کو لے ہی گیا بھٹکودی کا پاس مجھے تلاش کرنے نہ پائے مرے حواس مجھے  
 ہوائے کوچہ قاتل نہ نکلے دل سے کہیں کھلا ہوا در چاک جگر نہیں دکھتے  
 ہے جلوہ گر دیر و حرم ذات تمہاری تھہری ہے دھملے میں ملاقات تمہاری

دور سے بھی کبھی ملنے کے اشارے نہ ہوئے  
 ہم کہیں کے نہ رہے تم جو ہمارے نہ ہوئے

جان آگئی پتلیوں میں دیکھو آنکھوں میں روح اے صدم ہے  
 قتل کر کے آئے ہیں وہ عذر خواہی کے لئے  
 دل مرا ہے ساتھ ساتھ اُن کی گواہی کے لئے

میں روتا ہوں آہ دسا بند ہے برستا ہے پانی ہوا بند ہے  
 کہاں قافلے تک رسائی مجھے میں ہوں لنگ شور درا بند ہے  
 سواری تری آ کے کھا پھر گئی ادھر کو ادھر کی ہوا پھر گئی

بتوں کے گھر کی طرف کعبے کے سفر سے پھرے  
 ہزار شکر کہ چہتے خدا کے گھر سے پھرے

ملتا نہیں سواغ دل خاکسار کا مدد سے خاک چھانتے ہیں تیری راہ کی

آہ بھی دل میں نسیم سحری ہوتی ہے  
 جو بلا آتی ہے ' اِس گھر میں بری ہوتی ہے

صبح طالع ہوئی سو بھی اُتھ سونے والے  
 آفریں اے مرے بیدار نہ ہونے والے

اہل مسند کو گذر جاتی ہے کھٹکے ہی میں رات  
 مست ہیں سبائے دیوار کے سونے والے

بہج سے پردہ ہستی بھی اُٹھاتا میں نے  
 اب تو منہ کھول دے او سامنے ہونے والے

اچھا نہوں جو راز تپ عشق فاش ہو \_\_\_\_\_ اے نبض دل کی بات نہ کہنا طیب سے  
تبلیغ نکاح آپ کی ہر طرح قہر ہے \_\_\_\_\_ بے کھائے جان جانی ہے کھائوں تو زہر ہے  
جان جس کی دل سے جگر تک نہ پہنچے \_\_\_\_\_ اٹھی وہ نالہ اثر تک نہ پہنچے  
نہیں علم کیا کہتے ہیں لوگ ہم کو \_\_\_\_\_ وہ ہم ہیں کہ اپنی خبر تک نہ پہنچے

یارب کبھی تو زخمِ مصیبت گذر کرے  
پہلو میں واہ ' سہلے میں جا ' دل میں گھر کرے  
در نہ جوشِ خوں شہیداں سے بھاگے \_\_\_\_\_ پہلے قدم اٹھالے سے دامن اٹھالے  
کہا ہانہ مردے پہنچیں گے دامنِ بے تیاں تک \_\_\_\_\_ اپنے ہی گریبان سے فرصت نہوں ملتی

ترجہی نظر کے حال سے واقف نہوں کوئی  
کس پر چہری چلی ہے ' مردے دل سے پوچھو  
میرے نصیب ' پانو کی آہٹ سے جاگ اٹھ  
سہلے میں کون آ کے چھپا دل سے پوچھو  
راز و نیازِ عشق سے آگاہ میں نہیں  
مجھ سے نہ پوچھو ' یہ مردے دل سے پوچھو

سب میکشوں کے دیدہ و دل کون لے گیا \_\_\_\_\_ شہشے کہاں ہیں ہاے وہ پیمانے کیا ہوئے  
مقدور جو ہوتا تو بڑھاپے سے نہ جھکتے \_\_\_\_\_ گرتی ہوئی دیوار کو ہم تھام نہ لیتے؟  
جو پوچھتا ہے عشق میں کہوں رنگِ زرد ہے \_\_\_\_\_ ہانوں سے دل کو تھام کے کہتے ہیں درد ہے  
شکرِ خدا کہ رنج سے آباد ہے یہ گھر \_\_\_\_\_ مدت سے دل نہیں ہے ' تو پہلو میں درد ہے  
اک رشکِ آفتاب نے پرہیز کر دیا \_\_\_\_\_ صبحِ قیامت اپنے بگولے کی گرد ہے  
میںخانے میں شہشہ کوئی ٹوٹا ہے مقرر \_\_\_\_\_ بوسا خستہ کہوں دل میں مردے درد ہوا ہے

مہمت بد نام ہے میںخانہ عالم میں شراب  
کوئی پوچھ تو ' نظر ہوش رہا کس کی ہے ؟  
مجھ کو دعوایِ خدائی ہے کہ اے بتِ مجھ کو  
شرع میں حد نہیں جس کی وہ سزا کس کی ہے ؟

یہی انصاف ہے اے فصل بہاری، تیرا :  
 جال میں مرغ چمن، باغ میں صیاد رہے؟  
 بادشاہوں میں ہوں محسوب، نہ درویشوں میں  
 یا آہی تری دنیا، ہمیں کیا یاد رہے  
 کہا بتائیں تجھے اے شوخ حقیقت اپنی  
 نامراد آئے ترے کوچے میں، ناشاد رہے  
 خوف پیری سے نظر بھر کے نہ دیکھا تجھ کو  
 اے جوانی تری صورت ہمیں کیا یاد رہے  
 چاہیے مجھ کو ترا ناز اُٹھانے والا  
 جان جانی ہے تو جائے دل ناشاد رہے

ازل سے جو زخمی ہے وہ دل یہی ہے خدا ساز دنیا میں بسمل یہی ہے  
 نصیب ایسے نالے کہاں بلیاؤں کو؟ میں پہچانتا ہوں، مرا دل یہی ہے  
 نہ تو کچھ فکر نہ تدبیر لیے پھرتی ہے جابجا گردش تقدیر لیے پھرتی ہے  
 والے قسمت نہیں ملتا کوئی پڑھنے والا زال دنیا خط تقدیر لیے پھرتی ہے

زہر قاتل دونوں ہیں بیمار ہجران کے لیے  
 مہربانی آپ کی، نا مہربانی آپ کی  
 پائے نازک پر جو سر رکھا تو کھائیں تھوکریں  
 یہ ہماری بلذاتی، وہ قدر دانی آپ کی

سب ہیں معجز دوست، حقیقت پسند، میں  
 بلذات ادھر، تمام زمانا ادھر رہے  
 علمائیت ہو گئی جاگیر میں، اناہم استعلا خدائی مانگ کر لایا میں درگاہ الہی سے  
 اُنی خاک اُس کے دھندل کی، یارب یہ ہوا چلی کدھر کی  
 جھٹکے دیے یاس نے دم نزع، تو تھی اُمید عمر بھر کی  
 مرے تن میں جان بن کر نہ دھو گے تم ہمیشہ  
 کہو عہد زندگی کا کسے اعتبار آئے؟



دکھو دل چہراں کو اگر سامنے اپنے ——— آئینہ تمہیں منہ نہ دکھائے مرے آگے

حسن تیرا ہر آنکھ میں ہے نہیا ——— لاکھوں نقشے ہیں ایک صورت کے  
فکر دوزی میں پھرتے ہیں سر ——— تکرے کھاتے ہیں پھوٹی قسمت کے

بال بکھرائے ہوئے آتے ہو کیوں مقتل میں  
اُتھ کے لے لیوں نہ بلائیں کہیں مرنے والے

آنکھ پھرنے ہی تری، مجھ سے خدائی پھر کئی  
کیا مری ہر گشتہ بختی کی دھائی پھر کئی

نہ کھینچو جگر سے کتاری ابھی ——— مزا لیتی ہے بے قراری ابھی  
وہی آزمائش ہے اُن کی ہلوز ——— وہی مہری بے اعتباری ابھی  
جاتا ہے لطف کوف جوانی دماغ سے ——— پہلے پہل یہ پھول بچھرتا ہے باغ سے

بیمبسی کا تو کہیں نام متے ——— کوئی تو آئے، قیامت ہی سہی  
کھا پڑا لیوں نے بگڑ کر مجھ سے ——— تھرے تھور، مری قسمت ہی سہی

منجھس

فزل رشک

توحید میں ارشاد مکرر ہے خدا کا ——— مشرک جو ہے دشمن وہ مقرر ہے خدا کا  
دیدار کم احول کو میسر ہے خدا کا ——— جو دیدہ یک بھں ہے وہ ملظہ خدا کا  
جس دل میں نہیں شرک وہی گھر ہے خدا کا

فزل ثواب نصیر الدولہ

ہے میسر مجھے نظارۂ باغ ——— اس تجلی سے مرہں پر ہے دماغ  
نہیں راتوں کو احتیاج چراغ ——— سیفۂ خادر ہے آفتاب ہے داغ  
صبح متعشر مرا گریباں ہے

قصائد

نعت سیدالوسلین (مناظرۂ ہستی و مرگ)

مہیب رات تھی ایسی کہ بس خدا کی پناہ

زبان ہو سر ہو پر تھی الامساں کی پکار

مکان گور کہن 'فرہں خاک' بالہں سلگ  
 کھڑے تھے بھاگنے کے واسطے در و دیوار  
 عجب نہیں ہے جو آنکھوں کی راہ بھولی نہیں  
 اندھیرے گھر میں فہں آ آ کے پھر گیا کئی بار  
 اندھیرے میں نہ ملا نہیں کو مقام پناہ  
 لہز کے مردوں کی آنکھوں میں جا چھپی اکبار  
 چراغ جا کے جلا لائے غول دوزخ سے  
 نہ پائی آتھں روشن مہان شہر و دیار  
 چراغ خانہء مفلس کی طرح مہا فلک  
 چمک کے شام کو نکلا نہ صبح تک زہار  
 اندھیری رات میں یوں تھا ہجوم ابر سیاہ  
 کہ جیسے اڑھے پر ہو سیاہ دیو سوار  
 زمانے پھر کی بلاؤں میں مبتلا تھا میں  
 خفا میں جان سے تھا جان مجھ سے تھی بھزار  
 ادھر تو کھینچتی تھیں سخت جانہاں دامن  
 ادھر قضا مرے لے جانے کے لیے تھیں ہمار  
 میں طرفہ رد و بدل تازہ کشمکش میں تھا  
 مرے لئے ہوئی ہستی و مرگ میں تکرار  
 ہر اک کو دونوں میں دعوائے انصاف تھا  
 ہر ایک کرتے تھے اپنی فضیلتیں اظہار  
 بیان دعویٰ ہستی یہ تھا کہ سن اے مرگ  
 میں تجھ سے بڑھ کے ہوں 'آگاہ ہیں صغار و کبار  
 مرے طفیل سے قائم ہوں آسمان و زمیں  
 مجھ سے ہیں مہ و خورشید مطلع انوار  
 مرے سبب سے ہے مہدی دین حق قائم  
 مرے سبب سے ہے ابدال صاحب اسرار  
 خدا نے کھائی قسم ہستی محمد کی  
 تو کیا ہے عرش سے بھی میں ہوئی بلند و تار

مرے سبب سے خفسر دھلمائے عالم ہے  
 مرے سبب سے ہے الیاس صاحب آثار  
 مرے سبب سے ہے فردوس آشیان ادیس  
 مرے سبب سے مسکھتا ہے آسماں سیار  
 محکھٹا دھر مہوں مہوں ہوں برونگ کشتی نوح  
 ترے وجود مہوں طرفان قہر کے آثار  
 مرے پیالے مہیں آب حیات ہے لبریز  
 تری شراب مہوں مخلوط زہر عقرب و مار  
 خطاب متجہ کو دیا سب نے جان شیریں کا  
 ہر ایک تلخی ہے نفع سے تری ہزار  
 مرے نصیب مہیں بانگ نشاط و نعمت عیش  
 تری بساط مہیں ہے نوحہ اور نالہ زار  
 کہا یہ مرگ نے بس بس خاموش اے ہستی  
 کچھ اس مہوں راست ہے کچھ لاف ہے تری گفتار  
 مہوں وہ ہوں جس سے لرزتے ہیں سرکشان جہاں  
 مہیں وہ ہوں جس سے ہیں عاجز ستمگر و اشرار  
 مرے سبب سے شہیدوں کو ہے حیات ابد  
 مرے سبب سے ہیں پھوند خاک بد کردار  
 مرے واسطے سے ابرار زینت فردوس  
 مرے طفیل سے اشرار ہوں وقود الدار  
 پسند آتی ہے تو کسی کو ضعف پیری مہیں  
 کہ اپنی جان سے ہو جاتے ہیں بشر ہزار  
 ترے سبب سے مہوں مستکبروں مہیں چند دولت مند  
 ہزاروں رنج سے ہیں نالہ کش پس دیوار  
 تری شراب نہیں ہے خمار سے خدالی  
 نہفتہ نوش مہیں تھرے ہیں نفش زہر ہزار  
 ہزاروں ہیں مرض مفاسی سے جاں برلب  
 بیتا تو کسی کو پلاتی ہے شربت دہزار

ہزاروں قید میں روتے ہیں جان کو تہری  
 مسجھلاتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ کر ہر بار  
 زمانے بھر میں ہے شکوہ کرے قلموں کا  
 کسی کے ساتھ نہیں تیری ایک سی رفتار  
 کسی کو کھینچ کے مسند سے خاک پر پھیلتا  
 کسی کو قاتل دیا چاہ غم میں یوسف وار  
 امیر تھے جو سلطان عہد دنیا میں  
 بزرگ مور وہ پھرتے ہیں دانے کو ناچار  
 قصبہ ہے تخت سے جمشید کو آثار دے تو  
 ستم یہ اور ہے فصحا کو کرے مختار  
 بتا ' جو نزع کی مشکل نہ میں کروں آساں  
 تو تا بہ حشر پڑا ترپے نیم کشتہ شکار  
 اگو کروں نہ سبکدوش میں دم سکرانت  
 تو بار خاطر اہل و عیال ہو بھمار  
 فرض کہ رکھتی ہوں میں ہر فریب کا پردہ  
 تجھے بھی چاہیے ہو دل سے مہری ملت دار [۱]  
 غرور کر کے ہوئے مدعی خدائی کے  
 ترے سبب سے سلاطین ظالم و جبار  
 خوشی میں تونے شہان غنیمت کو رکھا  
 ملول تجھ سے رہے انبیاء عرش وقار  
 خدا نے حکم دیا " قبل ان تموتوا " کا  
 جہان میں مرے مشتاق رہتے ہیں ابرار  
 پیہمبران خدا میرے شہر میں سب ہوں  
 کہ جن کے نقش کف پا سے خلد ہے گلزار  
 خصوصاً اُن میں شہ انبیا حبیب خدا  
 شیعہ امت و مجددوب ایزد غفار  
 صلی اللہ علیہ وسلم لا الہ الا اللہ  
 چلاے سرور ما زاغ واقف اسرار

برنگ غلچہ جو ہے مہم احمد عربی  
امانت اُس کی بغل میں ہے بوی گلشن یار  
”مذہب“ مذہب حاضر میں عرض کر مطلع  
حضور قلب ہے نعت رسول میں درکار

ملکیت امیرالمومنین حضرت علی

نور خورشید جو ہو صاف طور حمل موسیٰ روز کرے مصر دل شب میں عمل  
مصر شب میں جو کرے بادشہ روز عمل دل قرون میں پھونکے یں بدھضا مشعل  
گل رعنا کے تماشے کے لیے گلشن میں ایک جا ہو گلہن شام ابد و صبح ازل

پردہ ابر بہاری میں ہوائے گلشن لے چلی دیدہ نرگس سے چرا کر کاجل  
چلک بدر واحد و خلدق و خیدوسر کی تیوری تلوار کے لنگر سے پسے لات و ہیل  
کھا کروں اسپ فلک سہر کے اوصاف رقم سایہ اس کا شب وصل تو بجلی چہل بل

لکھ درں تقویم کہیں میں جو میں سرعت اس کی  
ہم بغل شام ابد سے ہو ابھی صبح ازل

ملکیت جناب سیدۃ النساء

گذری شب سہاہ تجلا ہے نور کا پڑھئے نماز صبح کہ توکا ہے نور کا  
مصرع سے کم نہیں ہے قیام نماز صبح دو رکعتیں ہیں مطلع زیبا ہے نور کا  
معراج پائی سجده کھا خاک پاک پر داغ سجود ہے کہ ستارا ہے نور کا

مدح ثواب نلب علی خاں

آجائے تھے تم صبح کی ساعت کے برابر پھولتے ہو اب پانو قیامت کے برابر  
جب دیکھتے ہو منجہ کو بگڑ جاتے ہیں تھور ہے چین جہوں تیغ عداوت کے برابر  
دیوانوں سے ہر روز ترا گیسوے خمدار آشفتم ہے زلف شب فرقت کے برابر  
ہشیار، نہیں کوئی جو آنا ہے چلے آؤ ہے بزم جہاں گوشہ خلوت کے برابر

مطالع

پتیا ہو اگر گلشن جنت کے برابر گردوں بھی ہو تیرے کف ہمت کے برابر

پھیلان میں تھوڑے در دولت کے برابر دامن ہو جو محتوای قہامت کے برابر

رُت ہے برسات کی بہت پیاری بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پر  
بجلیوں کی چمک میں ہے چہل بل کھا ہری دوب جلیگلوں میں ہے  
ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے تھلکی تھلکی ہوائوں پروائی  
شفق سرخ رنگ لائی ہے نڈھی نڈھی برستی ہیں بوندیں  
کوکلا، بگلے، کوٹلیں، طاؤس قازیں، مرغابیاں، بطایں، سرخاب  
کھیت دھانوں کے لہلہے شاداب عکس طوطی ہو چھوٹے آٹھے میں  
سوندھی سوندھی زمین کی مٹی

آپ کے ہاتھ میں ہے وہ تلوار نام اس برق کا ہے دشمن سوز

ہے سواری میں کیا پری گھوڑا کر رہی ہے صبا چدر اُس پر

پڑی ہے مجھ سے عناصر کے دل میں یار گروہ پڑی جو تھوڑی میں، عالم وہ حسن کا نہ رہا  
سمجھ لے قدر جو اکسیر خاکساری کی بساط عمر رواں کا ہے عرض چار گروہ  
کسی سے سپکھ گئی نشیے کا اُتار گروہ تو اپنی گانٹھ میں باندھے مرا فبار گروہ

زمانے بھر میں خوشی کا کہیں نہیں ہے وطن  
خدا کے فضل سے ہے رامپور ہی مسکن

تمام شہر رنگیں لباس، خوش پوشاک ہرنگ گل ہے ہر اک کے گلے میں پوراہن  
شگفتہ طبع و شگفتہ دل و شگفتہ مزاج ہر اک کے ساتھ لگی پھرتی ہے بہار چمن  
کہیں مباحثہ علم و مجلس فضیلا کہیں مشاعرہ پڑھ رہے ہیں اہل سخن

ہندوستان ہے سر بازار مہ چھیلوں کا      بھرے ہیں نور کے بکروں سے کوچہ و بوزن  
خوشا نصیب جو اُس شہر میں رہے آکر      جو بادشاہ ہو تو بھی نہ یاد آئے وطن

مدح منشی احمد حسن خاں "عروج"

بارے آئی نجات کی باری      کھل گیا عقیدہ گرفتاری  
ہم کو مخلص ملا دھائی کا      قہر کو جائداد بیکاری  
کوچ تھہرا مقام غربت سے      اب وطن چلنے کی ہے نیازی  
رخصت اے دوستانِ زندانی      اوداع اے غم گرفتاری  
کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت      اشک شادی ہیں آنکھوں سے جاری  
بیٹھتے ہیں جہازِ دودی پر      اُٹھتے ہیں لنگر گسارِ باری  
کرم اے خضر، المدد اے نوح      رحم اے فضل حضرت باری  
اسلام اے خروش بحرِ محیط      السفر اے سفیلہ جاری  
زاں راہ سفر، توکل ہے      دھمائی کو اُس کی غفاری  
سامنے ہر طرف سمندر ہے      سایہ آسمانِ زنگاری

منقسی اور رمضان

رمضان اب کا شہر ہے منجھ پر      پہارے کھاتے ہیں روزے آٹھ پھر  
منقسی پہلے بھیج دی مرے پاس      پھر ہوئے آپ مہمیاں آکر  
کون کہتا ہے روزہ ہے قاشام      رات دن ہے مقام میرے گھر  
کھانے پینے کی چیز کیوں کر آے      خوں بدولت کھڑے ہیں پھرے پر  
سکری کے لئے دکھاتے ہیں      نقل بادام دیدہ اختر  
شام کے وقت بہرِ افطاری      نمکِ بختِ شور پڑھیں نظر  
قدح آب کی جگہ موجدوں      خوب لبریز آنکھوں کے ساغر  
تلفِ کامی اگر نہ زہر ملے      جان شیریں کو کھاؤں جائے شکر

نذر عید قربان

قصر جاں پرور ہے باغِ دلکشائے صبحِ عید      دامنِ دولت سے آتی ہے ہوائے صبحِ عید  
کہانتِ دینتی ہے مردمِ دلدلِ لبِ نغمہ سنج      ہے زبانِ برگ گل پر ماجراے صبحِ عید  
دلکشائے دلہاں اگر دیکھے میانِ دامپرور      کوچہ چاکِ گریباں بھول جائے صبحِ عید

”شکوہ“

”حجابِ زناں“

اے قلم لکھ دے پہلے بسم اللہ  
حال جو کچھ سنا گیا مرزوں  
اپنے لہجے میں یہ کلام نہیں  
سیکھی سیکھی زبان ہے اس میں

قائدِ ناقص یہ سب کو ہو دل خواہ  
نہیں اس میں لطافتِ مضمون  
جب تو اس میں وہ التزام نہیں  
سادہ سادہ بیان ہے اس میں

نیک عورتوں کا ذکر

سلو رادی‘ جو بھیدیاں نہیں نیک  
کام خوفِ خدا سے ہے اُن کو  
نہیں ہوتی میں بے لحاظ کبھی  
روکھی سوکھی جو پائی کھاتی ہیں  
جس سے کپڑے گرہوں یا برتن  
ایسے تنِ رومٹ کے مڑے پر خاک  
نہیں بازیک اُن کا پورا بدن  
گھر سے جاتی نہیں کبھی باہر  
گھر میں مزدوری اپنی کر لیتا  
شرع کی حد سے کب وہ بڑھتی ہیں

چال اُن کی ہے ایک بات ہے ایک  
ربطِ شرم و حیا سے ہے اُن کو  
پردہ اُن کو ہے باپ بھائی سے بھی  
جو مصیبت پڑی اُٹھاتی ہیں  
بھڑ میں جائے وہ چٹورا پن  
جس سے کتا جائے سات پشت کی ناک  
کبھی کھلتا نہیں کہوں سے بدن  
عمر پڑے میں کرتی ہیں وہ بسر  
دال دلیے سے پیٹ بھر لیتا  
مسئلوں کی کتابیں پڑھتی ہیں

شرعی خاتم کی گنتی

ماں سے تم بولی ہو مری خانم :  
دوس [۱] ڈیٹا کسی کو ہے بے جا  
اپنی بدننامی میں نہ چاہوں گی  
اُن کے آگے نہ ایسی بات چلے  
گو کہ متذکر اُن کو آج نہیں  
ہیں وہی گو کہ مالک و مستشار  
میں کرتی ہوتی ہوں‘ بگڑتی ہوں  
ہونٹ آگے مڑے نہیں کھولے  
دیکھ کر مری شکرل چیتے ہیں

امی جان‘ آپ کہوں ہوئیں برہم  
تھا یہ مہرے نصیب کا لکھا  
جس طرح ہو سکے نبیوں کی  
کام اُنہیں سے ہے ہوں برے کہ بھلے  
پر شہادت ہیں‘ بد مزاج نہیں  
پڑ ہیں ہر طرح مہرے نابعداد  
آزمائے کو اُن سے لڑتی ہوں  
مہرے سے بڑھ کر کبھی نہیں بولے  
پانو دھو دھو کے مہرے پختے ہوں



بادشاہ سے خطاب

ہو ترقی شکوہ حضرت کی  
یہی واجب ہوا ہے حضرت پر  
دیتے ہیں بادشاہ سب کی داد  
یہی دستور ہے ' قصور معاف '  
آپ جو چاہیں ہم سے اپنی خدمت  
جب رعیت کو بادشاہ ستائے  
ملک و دولت کو صاف کہو بیگتھے  
لاکھ حیلوں سے زر رعیت کا  
کب عدالت پناہ کہلائے  
قطعہ سعدی کا ہے بہت مشہور  
بادشاہ پاسبان درویش است  
گوسفند از برائے چوپاں نیست  
کہا ہو ظالم کی سلطنت میں امان؟  
نہ کلمہ چور پیشہ ' سلطانی

عدل و انصاف ' عمر و دولت کی  
رہے انصاف کی ہمیشہ نظر  
کہ رعیت ہے صورت اراد  
ہم اطاعت کریں حضور انصاف  
پرورش کی مگر رہے نیت  
ستیا ناس جائے چوں نہ پائے  
بادشاہت کو اپنی رو بھگتھے  
لوتے جو بادشاہ بے پروا  
بلکہ وہ روسیہا کہلائے  
عرض کرتی ہے یہ کلمہ حضور  
گرچہ نعمت بفر دولت اوست  
بلکہ چوپاں ہرے خدمت اوست  
بھڑیا بھڑوں کا ہے دشمن جاں  
کہ نہایت ز گرج چوپانی

### رباعی

عالم اسیری میں

غربت میں وطن خانہ بدوشوں کو ملا  
زہر غربت شکر فروشوں کو ملا  
چمک تخت چکر کھانے لگی پیاس "ملہیر"  
کالا پسانی سفید پوشوں کو ملا

### قصہ

نواب احمد حسین خاں "سالک" کی مدح میں

ازل کے دن سے نہیں بے علاقہ کوٹھی شے  
اثر ملا سخن تلخ کو ہلاہل کا  
شراب آب بقا بہر سافر ظلمات  
پے طواف حرم اہل قبلہ ساعی ہیں  
تلاش معنی روشن ہرے طبع ملہیر

چمک ہے بہر قمر چاک ڈال کتاں کے لئے  
بلی حلاوت جاں لذت بیاں کے لئے  
مسیح و خضر بلے ہر جاوداں کے لئے  
برہمنوں کی چپیں سجدۂ بتاں کے لئے  
"ملہیر" مدحت احمد حسین خاں کے لئے

قید کے حالات میں

فروغ آباد اور یساران شہر کی چھت گئے سب گردن تقدیر سے  
 آئے پاندے میں مقید ہو کے ہم سو طرح کی ذلت و تحقیر سے  
 کوٹھری تاریک پائی مثل قبر تلگ تر تھی حلقہ زنجیر سے  
 پھر الہ آباد میں بھجوا دیا ظلم سے ' تلبیس سے ' قزیر سے  
 جو الہ آباد میں گذرے ستم ہمیں قزوں ' قزیر سے تھریر سے  
 پھر ہوئے کلمتے کو پودل رواں گرتے پڑتے پانوؤں کی زنجیر سے  
 ہتھکڑی ہانہوں میں بیڑی پانوؤں میں ناتواں تر قیس کی تصویر سے  
 سوے مشرق لائے مغرب سے مجھے تھی غرض تقدیر کو تشہیر سے

قاعہ تارین

مدراس میں غلام نبی جب ہوئے اسیر گھر اُن کو کلبج خانہ آفت میں مل گیا  
 از بسکہ ہیں وہ اہل مروت میں نامدار یہ زہر تلبخ عیش کے شربت میں مل گیا  
 سب دوستوں کو رنج ہوا اُن کی قید کا لطف سرور خاک مصیبت میں مل گیا  
 مدراس سے وہ آگئے جب اندھن میں گویا مقام گوشہ راحت میں مل گیا  
 والد تھے اُن کے مرد خدا شیخ مہدی دیں یہ رنج اُن کو وضع کی کثرت میں مل گیا  
 بھگتے کے دیکھنے کو وہ آئے چہاز پر فرزند اُنہیں جزیروۃ غریب میں مل گیا  
 اس غم میں جب یہاں سے گئے مولہ میں کو جسم لطیف خاک کدورت میں مل گیا  
 فرط غم و الم میں گئے جانب عدم آرام اُن کو گوشہ تربت میں مل گیا  
 تارین اُن کی مرگ کی کہہ دی " منیر " نے  
 " دیکھو مقام کلمت میں مل گیا "

## صفحہ

سید فرزند احمد "صفیر" سید احمد کے بیٹے بلگرام کے رہنے والے ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ آدھ ضلع شال آباد چلے آئے جہاں عرصے تک قیام رہا۔ ابتدا میں سید مصطفیٰ مہدی "صفیر" بلگرامی اور پھر شیخ امان علی "سحر" سے اصلاح لیتے تھے۔ مرثیہ میں "ذبیح" سے اور فارسی میں "غالب" سے مشورہ کرتے تھے۔ پہلا دیوان "صفیر بلبل" پٹنہ سے ۱۲۸۰ھ میں اور دوسرا "خمسائے صفیر" لکھنؤ سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا۔ ان کے علاوہ متعدد کتابیں تصنیف و تالیف کیں [۱] جن میں سے قصہ ہوستار خیال، مشنوی اعجاز کلیم اور تذکرہ جیلوہ خضر مشہور ہیں۔ ۱۳۰۷ھ میں وفات پائی [۲]۔

کلام اکثر عاشقانہ ہے اور اُس میں "ناسخ" کی آواز کا رنگ صاف محسوس ہوتا ہے۔ صحت زبان کا بھی خیال رکھتے ہیں۔

## تزیینات

کلیم وقت میں ہم طور معنی ہے مکان اپنا  
 لقب لکنت کے باعث ہو گیا محبت و بیانی اپنا  
 خموشی سب کی باتیں ہم کو سنوائی ہے فرقت میں  
 بہلتا ہے بیونہوں دل بے تیرے اے جانِ جانا اپنا  
 توجہ سے تیری سامان ہوا ہے وحشت دل کا  
 جلوں ' تیرے قدم سے سلسلہ نکلا سلسل کا  
 نہ سمجھا میری بہتاری کو جب ناناں کسی صورت  
 تو اُس کا ہانپ رکھ کر کہ دیا یہ حالی ہے دل کا

[۱]—تذکرہ جیلوہ خضر [۱]—سین شعرا ص ۲۸۳ و تذکرہ آب بقا ص ۸۲۔

شام سے حال ہے بیمار وفا کا کچھ اور  
 دیکھتے جاؤ، ابھی تا بہ سحر کہا ہوگا  
 وصل کی رات کتنی، صبح کے آثار ہیں صاف  
 دل بچھا جانا ہے اے شمع سحر ! کہا ہوگا

زلف ساقی نے جو بکھراؤنی تو دریچہ چوڑھ گئے  
 رہ گیا زلفی، دعاے ابر وحسنت سازگرتا  
 آغاز ہی میں عشق، یہاں کار گر ہوا  
 میں کشتہ معاملہ یک نظر ہوا  
 آئے وہ اور ایسا جہاں سے سفر ہوا  
 کہا خوب اتفاق قضا و قدر ہوا

خدا ہے، دیکھتے کہا پھل ملے اس عشق بازی کا  
 بہت نشو و نما پر اب تو نخل آرزو آیا  
 ہمیں خوبوں سے آگست ہے، تجھے منظور نظارہ  
 ہم آئے دل سے یہاں اے شبنم اور آنکھوں سے تو آیا

ایک بچہ ملی سی ابھی کوند گئی آنکھوں میں  
 الاسان دوزن دیوار سے کس نے جھانکا  
 آیا قریب صبح جو وہ آفتاب، حسن  
 منسلک لٹا چراغ، شب انتظار کا  
 جوش شوق شب وصل میں شمع تھہری  
 تلک آئی ہے مری آرزوے دل کیا کیا  
 جسکچو میں تری تنک تھک گئے چلنے والے  
 پانرو پہنچائے پڑے ہیں سر منزل کیا کیا

ایسا دشمن میں ہوا آپ محبت میں ”صقیر“  
 کیوں نہ ہو خود مریے زبانوں میں گردیاں مہرا  
 وہ کھڑے ہو گئے جانے کو، قیامت آئی  
 یزید اعیاب پر عالم ہے صف محشر کا

یاں جس کو دیکھتے نظر آنا ہے کچ نکاہ  
 اُن کی نظر کی طرح پھر اے زمانہ کیا  
 مجھ کو تو بے خودی میں نہیں ہے خیال کچھ  
 دل بھی ہوا ہے مساتھ تمہارے روانہ کیا

جنگل میں بھی گئے، نہ چھوڑا وحشیوں سے عشق  
 کچھ پردہ پوش، دامن صحرانہ ہو سکا

کب اپنی چال سے ترا بیمار رہ گیا؟ در سے اُٹھا دیا ، پس دیوار رہ گیا

دشک نظارہ نے دیدار سے دکھا مجھے بساز  
تجھ کو آنکھوں میں بھی اے جان بٹھایا نہ گیا

ایک قیامت ہر گھڑی کے ساتھ ہے فرقت کی رات  
آج وہ شب ہے کہ جس کے واسطے فردا نہیں

دید شہیہ یار سے ہے میری زندگی روشن چراغ جاں کا ہے تصویر یار میں

دھوکا ہے مہوشوں کی محبت میں ' اے "صغیر" !  
مانو نہ مانو ' ہم تمہیں سمجھائے جاتے ہیں

نظارے پہ مائل تو ہو چشم شوق حجاب نظر پردہ در نہیں

دو گام چل سکا نہ ' صدم ' تیری راہ میں گھبرا کے شیخ بیتہ رہا خانقاہ میں  
اے مژدہ بخش وعدہ فردا نکل بھی آ بیتہا ہوا ہے ایک جہاں تیری راہ میں

ہمیں کافر نہ سمجھو ' زاہدو ' اس بت پرستی پر  
بتوں کے ظلم سہتے ہیں ' خدا کو یاد کرتے ہیں

اب تو آج چرخ و بام یار دونوں ایک ہیں  
چاندنی اور سایہ دیوار دونوں ایک ہیں

طور پر موسیٰ کو خوش کر ' کعبہ دل میں ہمیں  
اے صدم ' ہم طالب دیدار دونوں ایک ہیں

وصل کی شب کون سونے دیتا ہے مجھ کو "صغیر"  
چشم شوق و طالع دیدار دونوں ایک ہیں

عاشقی میں جب "اذا لہلئی" کی نوبت آگئی  
آئیگمہ ہو یا کہ روے یار دونوں ایک ہیں

انکار ہے ' اقرار ہے ' گالی ہے ' دعا ہے :  
اب لاکھ زبانیں ہیں ترے ایک دھن میں

گل و بلبل کا نہ تو قیصلہ کر گلشن میں  
کہیں عاشق نہ لپٹ جائیں ترے دامن میں

مار ہی ڈالے گی یہ زندگی ہجر مجھ سے رشتہ جاں ہے کہ پہانسی ہے مری گردن میں

فردا کا وعدہ کس کو یہ سمجھائے جاتے ہو  
سمجھے گا کیا وہ جس کو اُمید سحر نہیں

محفل یار میں ملتا دل ناشاد نہیں لائے تھے ہم کہ نہ لائے تھے زرا یاد نہیں

کسی کی فہم میں آنا نہیں ہے لکھت سے بجائے مہرے سخن کا اگر جواب نہیں

آئے وہ مہرے گھر ' تو رقیبوں کو لے کے ساتھ  
یارب ' قبول یوں بھی کسی کی دعا نہ ہو  
ہلستا ہے مل کے عہد کو ' کہیں مجھ سے وہ "مغور"  
پہلو تو دیکھتے کہیں دل لے چلا نہ ہو

گر آج وفا وعدہ فردا ہو ' تو کیا ہو کچھ فرض یہی ہے کہ قیامت ہی بچا ہو؟  
بٹھلائے ہوئے قیس کو ہے آبلہ پائی آنکھ کہیں نائک لیلیٰ تو مزا ہو

تعلق : عالم نیرنگ میں مشرت کا دشمن ہے  
تماشا دیکھتے ہیں ہم جلا کر آشیانے کو

دیر کہتے رہے ' جاننا کیے کعبا دل کو  
آج تک ہم یہی سمجھتے رہے کیا کیا دل کو

آسائیں وصال میں ہے شرط ' فکر ہجر تار نظر سے باندھ رکھوں آج خواب کو

بگڑا ' تو کیا کرے گا تو ارض و سما کے ساتھ؟  
دائے کا زور کچھ نہ چلا آسیا کے ساتھ

خوبوں سے بھی زیادہ ہے بیدار گر یہ دل  
اللہ ' مجھ کو بھیج دیا کس بلا کے ساتھ؟

بس ایک نگاہ دیکھتے ہی میں نے جان دی :  
آلفت کی انتہا بھی ہوئی ابتدا کے ساتھ

دنیا میں ہیں گو عدم کے ساکن، رخ ہے سوئے وطن ہمیشہ

لاکھ فہروں میں کیا تو نے مجھے کو انتخاب

ظلم پر تیرے مجھے ناز، اے ستم ایجاد ہے

وہ ہنسکتے ہیں میرے رونے پہ میں روتا ہوں ہنسلے پر :

لیوں میں اُن کے بچلی ہے مری آنکھوں میں ہال ہے

ہر دم صدا یہی ہے ترے داد خواہ کی مارا نظر نے رہ گئی حسرت نکار کی

کیا اُس سے کہوں جو ہیں کہے، ہاے : سمجھنا سمجھنا جو سمجھنا ہے ؟

تو مجھ سے اگر پھرا، تو کیا ہے ؟ اے بت، بلدے کا بچی خدا ہے

شب فراق میں دست چلوں سے لہجہ کام، بغیر چاک کورجاں سحر نہیں موتی

یہ آسرا ہے کہ پھر کو تو دیکھ لے شاید : تری نکلا سے قطع نظر نہیں موتی

تو نے گلگشت جو موقوف کیا، اے گل تر، پھول مرجھائے چلے آتے شیخ گلزاروں سے

سمجھ کے شہنشاہ ہم سے کلام کرتے ہیں خدا ہمیشہ رکے بات حسن والوں کی

یہ کس خطا پہ کیا آپ نے شہید ہوئے ؟

جواب کہا ہے، جو کوئی سوال کر بیٹھے ؟

مکہ بوسے کا مشتاق ہے، بیدار کی آنکھیں :

دیکھوں تو مری بچان نکلتی ہے کدھر سے

نہیں کہہ سکتے کچھ ہم حشر کے روز تمہارا منہ خدا کا سامنا ہے

کچھ نہ دیکھا تھا، دیکھا بھی جو موسیٰ کی طرح :

رہ گئی پردہ بیدار میں، حسرت مری

اے فلک، بلدے بیدام مہر ہے "صفر" :

پوچھ لے میرے عزیزدار سے قیمت مری

شرارت تری، اُنکھ کا تل ہوئی : دیا بن کے آنکھوں میں داخل ہوئی

محبت کی درپیش ملول ہوئی، بھولوں میں خاک اپنی شامل ہوئی

فرمائو نہ ترک محبت کے واسطے ' ناصح ' ریاضت ایک پہلی عمر بھر کی ہے  
 ثبات گل و لالہ کیا پوچھتے ہو ؟ اُڑے رنگ ہو کر چمن کیسے کھسے  
 سب مسیحی ہیں یہ فہرروں کی بلوائی بانوں ' پردہ اُتھ جائے تو جانو کہ محبت ہے کسے  
 تھری ہی چشم مست کا پیمانہ چاہیے ساقی مجھے تو لغزش مستانہ چاہیے  
 خیر "صفور" کی لانا کوئی ' خدا جانے کہ اُس غریب پہ کیا کوئے یار مہوں گذری  
 انجام اپنا خاک نہ سمجھے ہم ' اے فلک ' دنیا مہوں خاک چھان کے مٹی خراب کی  
 جسم سے ' تکلم سے ' حیا سے : مجھے مارا بھی تو کس کس ادا سے  
 بتو ' ساری خدائی ہم کو ملتی ' جو انہی التجا کرتے خدا سے  
 پیام مرگ ' اے اجل کہاں تک ؟ کبھی قدم رنجہ کر یہاں تک  
 فغان سے [۱] اب تھک گئی زبان تک ' خموش کب تک جیہا کرپیں گے



## قدر

غلام حسنین ”قدر“ سیّد خلیف علی کے بھتیجے ۱۲۲۹ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ واجد علی شاہ کے زمانے میں لکھنؤ آئے۔ ابتدا میں امان علی ”سکر“ اور مرزا محمد رضا ”برق“ کے شاگرد ہوئے پھر امداد علی ”سکر“ سے اصلاح لی۔ قدر کے بعد لکھنؤ سے دلی آئے اور ”غالب“ کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ آخر میں حیدرآباد میں چار سو روپے ماہوار کے ملازم ہوئے لیکن آب و ہوا موافق نہ آئی، اس لئے لکھنؤ واپس آئے اور اسی سال ۱۳۰۵ھ میں وفات پائی۔ [۱]

”قدر“ ہندی زبان سے واقف تھے اور ہندی عروض (پنکٹل) بھی خوب جانتے تھے۔ ان کا حافظہ قوی تھا، اور طبیعت ہمہ گیر پائی تھی۔ اردو غزلوں میں سادگی، شوخی، رنگینی اور قصائد میں روانی پائی جاتی ہے۔ زبان کی سستگی اور محاورے کی صحت ان کے کلام کا طرہ امتیاز ہے۔

### غزلیات

ملکہ فق ہو سکر بن کر، جس سے شب امکاں کا  
وہ مہر قیامت ہے، مطالع مرے دیوان کا  
اک طرفہ رقم میں تھا، دونوں نے کیا ساچھا  
آلشت نے مجھے پرکھا، رحمت نے مجھے آنکا

خیم سے چم شاداب نکلا کہسار سے آفتاب نکلا  
دوروز، دوروز، کلیسم دوروز وہ بام پہ بے نقاب نکلا  
غش کھا کے گرا میں شعلہ طور! ہمارے تھرا حجاب نکلا

[۱]—غزلیات قدر پنکڑی -

دسی تو جلی، مگر رہا بل : کاکل سے نہ پھچ و تاب نکلا  
اچھا ہوا، ارر آٹھلے دیکھ : لے، گھر میں ترا جواب نکلا

ہوگیا ابرو کی سٹاکی سے شہرہ یار کا  
کام کرجائے سپاہی، نام ہو سردار کا  
زلف و مڑگاں دیکھ کر پاک آگیا دشت جنوں  
وہ اندھیری رات وہ تلواروں میں چھلنا خار کا  
"قدر" کیا اصلاح "فالب" سے مری شہرت ہوئی  
وہ مثل ہے : بازہ کاٹے نام ہو تلوار کا

اک کف خاک سے دیکھی تری صلت کیا کیا  
مورچہ کوئی بلما، کوئی سلیمان ہوا  
ہجر نے، موت نے، یا ناز و ادا نے، مارا  
انہیں دو چار میں ایک آٹھ کا احسان ہوا

آس پر کہیں نماز میں گنبد نہ پھٹ پڑے  
واعظ نے نور ڈالا ہے مٹکا شراب کا  
آب حیات و چشمہ خورشید گرد ہو  
دیکھیں جو رنگ، خضر و مسیکا شراب کا

تم سے بچا جو نور، ہوئی روشنی شمع  
مجھ سے بچی جو خاک تو پروانہ ہو گیا  
شکل دوئی پسند نہیں، مہری آنکھ کو  
تھکا جو اشک، گوہر یکدانہ ہو گیا  
بلبل کی روح کیا مرے تن میں سمائی ہے  
جب آگئی بھار، میں دیوانہ ہو گیا

ہے ورد اپنا، سحر کو نالہ و فریاد کر لہنا  
بہر صورت کسی پردے میں تجھ کو پاک کر لہنا

نہیں جلت نہ سہی، خیر جہلم ہی سہی  
لہنا تھوڑا ہے، مجھے تو کسی قابل سمجھا !

یہ تو کہتے نہیں ہم حشر کا دن چھوٹتا ہے  
پدر ہماری شبِ فرقت کے برابر نہ ہوا

اضطرابِ دہشت پیمانی نہ چھوٹے گا کبھی  
خاک ہوگا جب بدن 'ریگ رواں ہو جائے گا  
اُس کی اس نامہربانی پر تو میں دیتا ہوں جان  
کیا قیامت ہوگی 'جب وہ مہرباں ہو جائے گا

آئے لحد پر آج بڑا حوصلا کیا اللہ 'کیا حضور نے خوفِ خدا کیا  
اے یار! آنکھ لڑتے ہی پرما گئی نگاہ آنکھوں سے خون ہو کے کلہاڑا بہا کیا  
اشک گرم آنکھ سے نکلے جو بڑھی سوزشِ دل ہم نے جلتا ہوا نذر اُبلتے دیکھا  
سائے کے لیے ابر سہہ جھوم کر آیا جب قصہ ہوا بجانبِ میخانہ ہمارا  
یہ کہ کہ کے سمجھاتے رہتے ہیں دل کو جو بھولے ہمیں اُس کو کیا یاد رکھنا  
دامنِ رحمتِ باری میں چھپا میرا راز میں ہوا اشکِ فشان ہو گئی مشہور کھتا  
یا الہی یونہی سر سبز رہے باغِ مراں زیرِ انگور ہوں میکھن 'سر انگور کھتا  
اشکِ اُمیدے ہجر میں جب آہ کی برق چمکی اور بانں گھر گیا  
گھر عدم ہے 'یہ جہاں ہے سیرِ گاہ ہر کوئی دم بھر کو آیا 'بھر گیا  
کیا عجب 'اے "قدر" دن پھیرے مرے  
جس کے فرمانے سے سرِ سج پھر گیا

تم نے مکھڑے پکے جو کھسکے پریشاں چھوڑا  
کالا پردہ دو کعبہ پکے مری جاں! چھوڑا  
ہاے اِس موت نے ویران کیا کس کس کو  
کوہ 'فرہاد نے 'مجدلوں نے بہاواں چھوڑا  
دیر و مسجد میں ترا ذکر ہے اللہ اللہ!  
حسنِ الطاف نے ہلکدو نہ مسلمان چھوڑا

ہو سکتی نہیں دل شکنی مجھ سے کسی کی  
کعبہ تو مسلمان سے ڈھایا نہیں جانا

اُلت کے دفتر ہر آسماں کا ، کیا رخ آہوں نے لامکاں کا  
 پڑا رہا شور الاماں کا ، دھوا رہا گل کہاں کہاں کا  
 عدم کی ہستی کا میں کہیں ہوں ، بقا کہاں ہوں فلما وہیں ہوں  
 ہزار اُتھوں میں تو کچھ نہیں ہوں غبار ہوں صحن لامکاں کا  
 فقط نہ سہلہ ہی توڑ کافر چکر بھی حاضر ہے دل بھی حاضر  
 بتا تو اے تیر عشق ، آخر ترا ارادہ ہے اب کہاں کا ؟  
 ہزار نالے کروں تو کہا ہے ؟ کہیں سماعت بھی یا خدا ہے ؟  
 شوالے میں سہلہ پھلک رہا ہے تو شور کعبے میں ہے اذان کا  
 جو پوس تالے مسجدت گل : رہا نہ ہو دامن توسل  
 جو خاک ہو جائے جسم بلبل ، غبار ہو صحن بوستان کا  
 وہ برق طور تجلی آرا ، کلیم نے جس سے دم نہ مارا  
 بچھا ہوا تھا کوئی شرار حاضر کے سنگ آستان کا

نہ بھاگ عسرت سے امتحان میں وہ عین عسرت ہے اس جہاں میں  
 سہلہ ہے زندان سرمدیاں میں مزا ہے کفار کے جلاں کا  
 جہنمیں سمجھتے ہیں لوگ تارے ، وہ چھٹک ہیں وار پیار سارے  
 یہ ہم نے آہوں کے تیر مارے کہ سہلہ چھلنی ہے آسماں کا

اُلت دیا وہ طبق زمیں کا پتلا نہیں چرخ ہفت میں کا  
 برا ہو آئے دل حزیں کا کہ مسجھ کو رکھا نہیں کہیں کا  
 کلیم تم نے نہ اُس کی مانی تو عش میں واجب تھی تاب لانی  
 جو چھوڑی تھی بحث لن ترانی ، جواب دینا تھا ہاں نہیں کا  
 کھلا وہ باغ خلیل ہو کر : بسنا سر طور نخل اخضر  
 ہوا سے چھڑ کر گرا زمیں پر ، جو ایک پھول آہ آتشیں کا

ترے میکدے سے ساقی ہمیں نا اُمید جانیں ؟  
 جو کوئی یہاں سے نکلا وہ پوسے شراب نکلا

دور ساغر ہم تلک پہنچتا نہ ساقی ، یا نصیب !  
 جاتا ہے مشرق سے مغرب تک برابر آفتاب

بے نام و بے نشان ہوں، نہ پوچھو ہمارا حال  
برگشتہ بخت و بے وطن و خانہاں خراب

حسن کو لاکھ ناز ہو، پھر بھی ہے فوق عشق کو  
تم سرِ گل پہ دیکھ لو، بڑھتے پائے علیلہب  
عشق کی جب ہوا چاہی، حسن نے سانس تک نہ لی  
چٹکی اگر کوئی کلی، آئی مدائے علیلہب

سودا ہے تجھے، قاروں تو نہ بن، کچھ راہ خدا میں صرف بھی کر  
یہ بوجھ نہ تجھ سے اٹھ سکے گا سرِ پیر نہ بہت تو لاد عبت  
کیوں لاش پہ میری روتے ہیں سب؟ کیوں صفت میں آنکھیں کھوتے ہیں سب؟  
چونکوں گا نہ خواب مرگ سے میں؛ ہے شور عبت، فریاد عبت  
صبا نے چمن میں تفس لاکھ دیا، کیا پوچھتے ہو مرغ گرفتار کا مزاج  
ملت کش مسوخت نہ ہوگا وہ حشر تک، ہے عرش پر حضور کے بیمار کا مزاج

مقصود، تیری دار مبارک رہے تجھے  
ایسا تو سر ہوا سرِ نرک سناں بلند  
یہ ضبط عشق ہے کہ نہ نکلے گی ملہ سے آہ  
اپسے جلیں گے ہم کہ نہ ہوگا دھواں بلند

موصافائی تھی کیا وہ چشم سیاہ، کھو دیا دل کا ایک نظر میں، درد

میں کیا کہوں، کسے آئے گا اعتبار اُس کا  
بہت کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے خواب کے مانند

قبر ٹھکرا کے مری، کہتے ہیں کس ناز سے وہ  
تمہیں بے چوں تھے، اللہ دے آرام پسند؟

ہلڈو چشم کجا، مصحف رخسار کجا  
کفر کے تحت میں رسم کو نہیں اسلام، پسند  
رمزِ اُلفت سے نہیں دست و زیاں کو مطالب  
کہوں کریں رسم و رواج نامہ و پیغام پسند

خوشو میں اشکِ ندامت نے بڑا کام کیا \_\_\_\_\_ نیکل آیا میرے اعمال کا کورا کافد

گردن شیشہ چھکا دے میرے پیچھے پر  
ہن برسستا دھے ساقی ' توے میخانے پر  
رمضان آتا ہے لیلہ چھکا دے ساقی '  
تیس دن دال تپکتی نہیں ' پیچھے پر  
فص ہوا گردن ساقی یہ ' کبھی آنکھ پہ لوت  
کبھی شیشہ پہ گرا میں ' کبھی پیچھے پر

گھٹ کر ہلال ہو مکہ کامل غرور سے کامل وہ ہے جو سو نہ اٹھائے کمال پر  
تو صید کا دھر میں غافل ہے کس لیے پھندا لگا ہوا ہے ترے بال بال پر

یہ لن ترانیاں ' ہیں ہرگز نہیں پسند  
موسمی کو کیا ملا تجھے اک بار دیکھ کر

کیا تجھ کو ملے گا دل دکھا کر کہیے کو نہ تھا خدا خدا کر  
کہتا ہوں کہا ہے تم نے بے ہوش فرماتے ہیں ہوش کی دوا کر  
اے مہر رواں کہاں گئی تو تہہا مجھے گور میں سا کر

چاند سورج کو نہ فرماتے کہ " خدا ربی "  
دیکھ پاتے جو خلیل آپ کے پیارے عارض

" قدر " کو ہتھکڑے میں دیکھا ہے اُس مسلمان کا خدا حافظ

درویش ہر کچا کہ شب آمد سرالے اوست  
کہوں کر نہ زلف یار میں ہوتا قرار دل  
ایسوں کے آتے آتا ہے کوئی جہان میں  
چھانی یہ اپنی ہے کہ ہوے پردہ دار دل

سوئے جسا کر مزار میں ہم اب پہنچے ہیں کوئے یار میں ہم  
جب خاک ہوے تو اوج پایا مل مل کر آئے فجار میں ہم

جو ہے عرش پر وہی فرش پر کوئی خاص اُس کا مکان نہیں  
وہ پہاں بھی ہے وہ وہاں بھی ہے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

میں وہ سرو باغ وجود ہوں میں وہ گل ہوں شمع حیات کا  
 جسے فصل گل کی خوشی نہیں جسے رنج باد خزاں نہیں  
 مجھے کیا جو شور نشور ہو یہیں پوچھ لو جو ضرور ہو  
 میں لکھ سے اُتھ کے چلوں وہاں مجھے اتنی تاب و توان نہیں  
 جو سمجھ گیا وہ سمجھ گیا جو بہک گیا وہ بہک گیا  
 کہ عجیب حال ہے گو مگر وہ نہیں وہ عیاں نہیں  
 ہوئیں زرد زرد جو پتھیاں یہ بھی اک طرح کی بہار ہے  
 میں بسنت اس کو سمجھتا ہوں یہ چمن میں فصل خزاں نہیں

تجہ میں عالم ہے فنا عالم میں تو موجود ہے  
 جس طرح گوہر میں ہو آب اور گوہر آب میں

دکیلاؤں میں تجہ کو گل و بلبل کا تالشا  
 چل تو سہی اے وعدہ فراموش چمن میں

بے مشقت کام دنیا کا ہوا حاصل کہاں ؟  
 مل گیا خواص کو گوہر لب ساحل کہاں ؟

رہے ہیں عالم خدائت میں ہم ناتواں برسوں  
 بنایا ہے ہمیں جب کو چکے ہیں امتکھان برسوں  
 "بلی" کہ کر بلا کا نشہ ہم کو چوہہ گویا رب  
 نہ آئے ہوش میں ہم مست جام کن فکان برسوں  
 رہوں گا جام کوثر سے نہ خالی ہاتھ اے واعظ  
 کہ ان ہاتھوں سے کی ہے خدمت پیرومغاں برسوں

دل رخ سے آز کے پہنچا گیسوے پُر شکن میں  
 کعبہ عرب سے اُتھ کر داخل ہوا ختن میں  
 جو لب ترانہاں میں پوری کہانیاں ہیں  
 خالق پکارتا ہے خدائت کے پیروہن میں

آتا ہے زلزلہ تو یہ کہتا ہوں دل سے میں  
 تھری طرح تپاں کرئی زیر زمیں نہ ہو

پشت مسجد کی ہے کعبہ کی طرف اے واعظ !  
 کھل گیا حال وہ راست کا سارا ہم کو

حالت تو دیکھ مردم چشم سیاہ کی \_\_\_\_\_ پھانسی گئے میں پتہ گئی تار نگاہ کی  
 واعظ خیر اُراتا ہے عرش آلہ کی \_\_\_\_\_ چھت گز پڑے نہ سر پہ کہیں خانقاہ کی

اے ”قدر“ تم بھی کلمے خوشامد پسند ہو  
 دل اُن کو دے دیا جو زرا واہ واہ کی

شمار میں نہیں ہوچوں جہان فانی کی \_\_\_\_\_ جہان ہے اُسے لہریں گئے جو پانی کی  
 سمجھ گیا ہوں معما تری خموشی کا \_\_\_\_\_ وہ بات ہو کہ دھن نا پدید ہو جائے

تعلقات جہان سے چھتے ہیں سرقد میں  
 سفر تمام ہوا آج اپنے گھر آئے  
 جو آنکھ ہو تو جہاں آفریں جہاں میں ہے  
 اِس آئے میں سکندر کا منہ نظر آئے

ملکسر ہوتے ہیں ہندو والے \_\_\_\_\_ نخل جھک جاتے ہیں تھر والے  
 حق کہو تلخ ! چھوت بولو گناہ \_\_\_\_\_ بس خموشی سخن سے بہتر ہے

ہوئے کارواں سے جدا جو ہم ' وہ عاشقی میں فلنا ہوئے  
 جو گدے تو نقش قدم بڑے ' جو اُتے تو بانگ درا ہوئے  
 کبھی داغ کھاتے ہی آہ کی ' کبھی آہ کرتے ہی رو دیے  
 کبھی ہم چمن کی ہوا ہوئے ' کبھی ہم ہوا کی گھٹا ہوئے  
 ہوا غل عدم میں وہ ناگہاں کہ ملائی یاروں میں ہاں میں ہاں  
 اُتے ہم تو مسرت، السمت اُتے ' جو بڑھ تو گن کی صدا ہوئے  
 جو لہو تھا اُس میں بھرا ہوا ' تو ہر ایک زخم ہرا ہوا  
 یہ دل و جگر مرے کیا ہوئے ؟ کوئی تازہ برگ حلا ہوئے  
 انہیں تلکیوں میں فشار ہے کہ تپیں میں جسم قرار ہے  
 یہ فنی میں طائر باغ کیا کوئی مرغ قبلہ نما ہوئے



جو لنگہ ہے چشم سہاہ میں وہی برق طور ہے راہ میں  
 تری آنکھ پر جو فدا ہوے وہ شہید راہ خدا ہوے  
 پئے ”قدر“ ایسے غبار ہم‘ ہوئے گردشوں میں وہ خوار ہم  
 کہ مثال دائرۂ فلک جو اُٹھے تو بے سرو پا ہوے

باغ سے جب ہوا چلی مہکدے سے گھٹا چلی  
 دل کی کلی کھلا چلی دل کی لگی بجھا چلی  
 راہ دے دورۂ شراب خانقہوں ہوئیں خراب  
 جہوم دھے میں شیخ و شاب‘ اب کے عجب ہوا چلی

ساقی کہے‘ تو دم نہ کوئی بادۂ خوار لے واعظ کی پگڑی کہا کہ کفن تک اُتار لے  
 ساقی جو چھاندا ہو مے سرخ سرخ کو واعظ کا سبز سبز عمامہ اُتار لے  
 مثال آنکھ‘ ہم سب سے ہیں صاف جو دل میں بات ہے‘ ملتہ پر وہی ہے

گھر کے مثل‘ نہ ثابت کبھی حباب رہے  
 جہاں میں سر جو اُٹھائے وہی خراب رہے

گھبرا ہے دے یار کو زلف دراز نے قرآن اُٹھا لیا ہے بڑے جعلساز نے  
 ہم نے جھولی میں‘ ہنجر کی راتوں حشر‘ اے واعظو‘ بلا کیا ہے !  
 مہرے پہلو میں دل ہوا نہ ہوا آپ کا اِس میں مدعا کیا ہے ؟  
 ہو گئے لاکھوں خداوند آج کل نام کو گھر گھر خدائی ہو گئی  
 دیتا ہے روز حشر یہ رندوں کو دھمکیاں واعظ‘ زبان روک ! ابھی دلی درد ہے

اے ”قدر“ اُن کو ظلم دیا حق نے‘ ہم کو صبر  
 ہر بات ہے حکیم کی حکمت بھری ہوئی  
 اُمید‘ مغفرت کی‘ سیہ کاریوں میں ہے  
 کالی کھٹا میں دیکھی ہے رحمت بھری ہوئی

ہم اگر قیامت میں‘ جم کے تکتکی باندھیں  
 آفتاب مہشر بھی‘ دے یسار ہو جائے

اشک سے اُگر سیلچیں، باغ طالب دیدار  
شاخ مہں جو گل نکلے روے یار ہو جائے

فزل مسلسل

جو عضو باطن خدا بلاتا، تو ہم دل بے قرار ہوتے  
جو عضو ظاہر خدا بلاتا، تو دیدۂ اشکبار ہوتے  
جو نقش ہم کو خدا بلاتا تو ہمتے ہم نقش نامرادی  
غبار ہم کو خدا بلاتا، تو اپنے دل کا غبار ہوتے  
خدا کسی کے گلے لگاتا، تو پڑتے اپنے گلے اُلجھ کر  
خدا کسی کا جو ہار کرتا، گلے کا اپنے ہی ہار ہوتے  
خدا ہمارے جو پیر لگاتا تو شب کو پروانہ بن کے چلتے  
خدا جو نعمے ہمیں سکھاتا، تو دن کو نالائ ہزار ہوتے  
خدا کسی کا جلیس کرتا تو ہوتے غم خوار ہم غصہ کے  
خدا کسی کا انیس کرتا، تو قہر کے غمگسار ہوتے  
غرض کہ ایسا مصیبتوں کا ہمارے دل کو مڑا پڑا ہے  
کہ ”قدر“ ہم کو خدا بلاتا، تو ہم ذلیل اور خوار ہوتے

قصائد

مدح میر محبوب علی خاں، شاہ دکن

باغ پر آج گھٹا توپ اُٹھا ہے بادل  
خسرو باد بہاری کا کھنچا دل بادل  
اُپر خیمہ ہے تو بوندیں ہیں طالب خیمہ  
چوب خیمہ ہے دھڑک، سبزہ ہے فرش مخمل  
چھک پڑی کالی گھٹا، دن ہوا برسات کی رات  
سب کو ہر پھر کے دکھا جانی ہے بجلی، مشعل  
باغ مہں چاروں طرف آگ لگائی گل نے  
سبز چھاروں پہ گلستان مہں چڑھے لال کدول  
قہقہہ مبارک کے گل کہتے ہیں ”سبحان اللہ“ !  
”بارک اللہ“ ہے پتوں کی زباں پر ہر پل

یوں شرابور میں باران بہاری سے سرو  
جیسے چوٹی کے شوالے میں چڑھے کا کا جل

گرمی پڑتی ہے درختوں پہ صبا مستانہ  
فلجے کہتے ہیں چٹک کر کہ سنبھل دیکھ سنبھل  
گل سوسن کو جو توڑو تو مرا بخت سواہ  
سرو و شمشاد کو چھانڈو تو مرا طول امل  
سونگھو ' لالے کو تو یک لخت مرا خون جگر  
دیکھو سنبھل کو تو بالکل مری قسمت کا بل  
کیا ہی شاداب ہیں گل ' رنگ چوا پڑتا ہے  
شاخ گل کہتی ہے بلبل سے کہ لے مہلدی مل

شاہد فصل بہاری ہے غضب کی چلچل  
کھئی پھولوں سے ہلسی ہے کبھی غلجوں سے چہل  
شاخیں جھک جھک پڑیں ' یا شاہد فصل گل نے  
نساڑ سے ڈال لیا سر پر سے اُلت کر آنچل

قوت نامہ ہے ' اُتھتی جوانی ہر پل  
کہ جوانان چمن آج میں کچھ اور ہیں کل  
کیا عجب سرو پہ بیچوبہ گردوں تک جاے  
کیا عجب گردش افلاک میں آجائے خال  
کیا عجب لوگ ہتھولی پہ جمالیں سرسوں  
کیا عجب ہاتھ کے دل سے کوئی پھوٹے ' کوپل  
کیا عجب رشتہ زنا سے بیابان پھیلے  
کیا عجب دانہ سب سے اُگے ' نفل امل  
کیا عجب روح شہیداں بھی پے دید بہار  
خاک سے بھر بہوتی کی طارح اُٹے نکل  
باغبان چمنستان کا ہے گردوں پہ دماغ  
منجھ کو تر ہے کہیں روضاں سے نہ ہو رد و بدل  
سبزہ شمشاد سے ' شمشاد ہے طوبی سے بلبل  
جانے طوبی نہ کہوں عرش کے اُس پار نکل

جو یونہیوں پہولتی پہولتی دہی گلشن میں بہار  
 جو یونہیوں نامید کرتا رہا ہر عقدہ ' حل  
 کیا تعجب ہے جو گولر میں نکل آئے پہول  
 کیا تعجب ہے اگڑ سرو میں آجائے پہل  
 کیا تعجب ہے کہ پتھر میں نمو پیدا ہو  
 خاک سے چرخ کی جانب کو چلے بلدھیاجل

یہ گھنگھور گھٹا ہانہیوں کا دل بادل  
 کجلی بن دھوم سے چمگل میں ملانے ملگل  
 کالے بادل جو دے پانو چلے جاتے ہیں  
 بے صدا پانو یہ دھرتا ہے زمیں پر ہر پل  
 کہیں بادل کی گرج سے بھی زمیں ہلتی ہے  
 اس کی چمگہاز سے ہوتی ہے فلک کو ہل چل  
 پہلے ہم عرش کی زنجیر سلنا کرتے تھے  
 دیکھ کر سونق میں زنجیر ' وہ عقدہ ہوا حل  
 لے کے یہ سونق میں پانی کو ' آڑائے جو پھہار  
 سارے عالم کو نظر آئے برستا بادل  
 ہیں عماری میں مرے قبیلے عالم جو سوار  
 پوشش کعبہ سید ہے نہیں ہاتھی کا محل  
 تیغ در دست ہوں ہاتھی یہ حضور پر نور  
 کالے بادل میں چمک جاتی ہے بجلی ہر پل

نہمچہ سبز ہے ' پر خوں میں بھرا جاتا ہے  
 لال پہولوں میں لدی جاتی ہے اٹھتی کوپل  
 آب تک خشک ہے کہا قہر ہے تلوار کی آنچ  
 آنچ اک برق ہے کیا ابر میں دوبا ہے پہل  
 چرخ پر چڑھ کے جو اُتری تو بلی عید کا چاند  
 عید قرباں کا کیا کام ' میان مقتل

میر لائق علی خاں، مدارالہمام کی مدح میں  
 ہاں مری طبع رسا! خاک سے افلاک پہ چڑھ  
 ہاں مری فکر بلند! آج پہنچ کرسی پر  
 ہاں مری دست بھاں! عرش کی زنجیر ہلا  
 ہاں مری پائے ٹلا! عرش کے اُس پار تھہر  
 ہاں مری شور مقامات! بجھا دے قنکا  
 ہاں مری زور خیمالات! جما دے لشکر  
 ہاں مری وہم رواں! اُتھ کے بچھا دے سکہ  
 ہاں مری فہم جواں! بڑھ کے بچھا دے مندر  
 ہاں بلاغت! وہ فصاحت سے سدا دے خطبہ  
 سن کے ”سودا“ بھی کہے صلّ عای چلا کر  
 اُس کی آواز سے گور متلبی ہل جائے  
 ہند سے تسا عرب اک دھوم دھ آتھ پھر  
 تھغ ہندی جو کھنچے نور کے جوہر چمکوں  
 جوہر خلیج رومی کے بچھا دوں تہر

اُس کا شہدیز چھلاوا ہے، کہ اک تہر نظر  
 چاند ہے، برق جھلندہ ہے، کہ اک باد سحر  
 اک دیور، ایک صبا، ایک شمال، ایک جلوب  
 دست و پا چاروں ہیں یہ چار ہوائیں مل کر

میرے ساقی نے مری ملہ سے لگایا ساغر  
 مطربو، مجھ کو سلجھالو میں گرا برہط پر  
 منہ پچو، ہاتھ مرا تھام لو، دوزو! دوزو!  
 خدمت پور منہاں میں مجھے پہنچاؤ مگر  
 میکشو، راہ سے اُتھواؤ خم و جام و سبو  
 مست ہوں، مست ہوں، لگ جائے گی موری تھوکر  
 نشہ کھا چھایا کہ آنکھوں میں اندھیرا چھایا  
 اب سپہ مست نظر آتا ہے میخانہ بھر

نشے میں چور ہوں چھپتے نہیں اسرارِ دلی  
دل میں جو آتا ہے آتا ہے زبان پر فرور

راجا محمد امیر حسن خاں، والی ریاست محمود آباد کی مدح میں  
چمن کا بیباہ ہے، گلہوں کا ہو گیا انجار  
بدل کر آئی ہے مشاطہ صبا، جوڑا  
دھڑی جمائے ہوئے سوسن اپنے ہونٹوں پر  
گلہوں کے چہرے پر افشاں چنی ہے شبلم نے  
بلدھا دروس بہاری کے در پہ بلند ہزار

بنی ہے زخمہ ہر اک سدا لب کی مقدار  
جہاں پڑی دگ گل پر، بجھا چمن میں ستار  
گرچ ہے بادلوں کی، یا گمک ہے طبلے کی  
جو مور ناچتے ہیں، ہل رہا ہے سب گلزار  
لگائی ہے گل شہزادے سے شہنائی  
جو پتے ملتے ہیں، جہانچہوں بجاتے ہیں اشجار  
بہرے ہوئے ہیں پھالے گلہوں کے شبلم سے  
پڑی جو شاخ اُٹھی جل ترنگ کی جھلکار  
ہے اُس بہار میں ایسا چلوں کا جوش و خروش  
مثال سلسلہ بختا اُٹھا چمن کا بختار  
یہ حال دیکھ کے صوفی بھی وجد کرتے ہیں  
ہوئی ہیں حال سے یہ حال قمریساں نزار

وہ خاک ہوں جو اُڑائے ہوئے دھر مجھ سے  
میں آسمان پہ چڑھ جاؤں اُنہ کے مثل غبار  
غبار چہرے گردوں، دلیل باران است  
برس پڑوں ترے گلشن پہ بن کے ابر بہار  
تو اُس سے، خلیق ہو سب سے، زبان کی صورت  
خضر کا رنگ ہو پیدا، مسیح کی گفتار

مہاراجا مان سنگھ بہادر کی مدح میں  
آئی بہار، سبز ہوا چرخِ اخضر  
ہے کہکشاں بھی، صورت شاخ چمن، ہری

کیا لالہ زار ہے ، شفق چرخ چلمیری سورج مہوی ہوا گل خورشید خاوری  
اب کی بہار آئی ہے کبھی ہری ہری

طاؤس پھر رہے ہیں خراماں ، چمن چمن  
ہیں پیاسمین و سلہل و ریتھان چمن چمن  
کھسا کھلا ہوا ہے گلستاں ، چمن چمن  
اب تو ہوا ہے تخت سلیمان ، چمن چمن  
بوٹے آگے ہیں باغ میں امسال کھا پری

سب صحن باغ ہو گیا ، میدان کار زار  
لالے کی پلنگوں نے چمائی الگ ، قطار  
ہر شاخ گل ، کماں ہوئی خم کھا کے ایک بار  
پتوں کی نوکیں ہو گئیں ، پیکان آبدار  
بن بن گئی ہر اک دگ گل تیر کی سری  
ہے آہرو بہار کی اب تو خدا کے ہاتھ  
پھیرے ہیں باغبان نے کس کس ہاتھ کے ہاتھ  
وہ رہ گیا چلار بوی ، اپنے ہاتھ کے ہاتھ  
پھیلے ہوئے ہیں باغ میں موج صبا کے ہاتھ  
پتوں کے تھالے ہو گئے پھولوں کی توکری

طارم کھلچکا ، تو عرش معلیٰ سے بڑھ گیا  
شمشاد اٹھا ، تو سدرا و طوبیٰ سے بڑھ گیا  
سبزہ چلا ، تو خضر و مسیح سے بڑھ گیا  
سلہل بڑھا تو زلف چلیپا سے بڑھ گیا  
ایک اک کو صحن باغ میں ہے کس قدر چری

حلقے میں پیل مست ہیں یوں جھومتے کھترے  
چھوٹے گھٹائوں آتی ہوں ساون میں چڑوں کے  
چلمہازیں ہانپیں کی ، مہ مسنی ، وہ ولولے  
بادل گرج رہے ہیں ، بڑے زور شور سے  
اللہ دے دعب ، کڑھتا ہے چرخ چلمیری

سب پر نظر ہے ، عین علالت ہے آنکھ میں  
 سرمے کے بدلے کھل مروت ہے آنکھ میں  
 پتلی سیٹھا ، مہر محبت ہے آنکھ میں  
 تار نثار ، رشتہ الفت ہے آنکھ میں  
 مد نظر ہے مردم دنیا کی برتری

#### تربیتی چھند

ہے ابر پہ چوہن ، نکھرا گلشن ، اُتر دکھن ، کجالی بن  
 بجلی کی چمک ہے ، گل کی مہک ہے ، دل کی لہک ہے ، یہ ساون  
 مروتوں کی وہ کوکبیں ، رند نہ چوکبیں ، خون نہ تھوکبیں ، دل ہو مگن  
 پھولوں پہ وہ بلبل سرو پہ صلصل ، عشق و سبیل دولہا دولہن

کوئل کی صدائیں ، تھلکی ہوائیں ، اودی گھٹائیں ، من بھائیں  
 وہ نور کی نہریں ، نہروں کی لہریں ، نظریں نہ تھریں ، بھ جائیں  
 بجلی کے چگر کو ، نور قمر کو ، موج گہر کو ، نرپائیں  
 سبزے کی لہک پر ، گل کی مہک پر ، حوریں فلک پر شرمائیں

آباد دُکُل ہے ، پیرمناں ہے ، ایک سماں ہے ، ساماں ہے  
 رندوں کا چلن ہے ، شیشہ مگن ہے ، قہائے زن ہے خنداں ہے  
 مستوں کی وہ حق ، غم نہیں مطلق ، جان سے مشفق جاناں ہے  
 گو مے نہیں باقی یہ مشاقی ، کہتا ساقی ؛ ہاں ہاں ہے

رفتار بلا ہے ، فتنہ بپا ہے ، گل یہ مچھا ہے ، لہلا ہے  
 واعظ کی خرابی ، صل کے کبابی ، آئے شرابی ، دنیا ہے  
 پگڑی چو سنبھالی ، برہ کے اچھالی ، بھتی ہے قالی ، بھاگا ہے  
 ہتھ پھیری ہو رندو ، جو ہو وہ ہو ، پلچ کا اب تو دورا ہے

#### رباعیات

جس روز دم شمار اُتھوں گا میں ، کہا قبر سے بہتر ار ، اُتھوں گا میں ؟  
 جب ”امتی ، امتی“ سلوں گا ، اے ”قدر“ : ”احمد ، احمد !“ پکار اُتھوں گا میں



مہجڑوں کا تمام شور ، کس نے دیکھا ؟ فرہاد کا سارا زور ، کس نے دیکھا ؟  
اے دل ! جو تڑپ ، تو اُن کے در پیر چل کر ؛ ناچا جنگل میں سور ، کس نے دیکھا ؟

گھل گھل کے ہوا ہے جسم سارا ، مہٹی مہٹی میں مٹا نہ ، اے خود آرا ، مہٹی  
کھدوا کے لحد تباہ و برباد نہ کر تو ایلیت کا کھر نہ کر ہمارا ، مہٹی

اللہ یہ شاکر ہوں ؛ خدا اِس کا گواہ دیتا ہے وہی رزق ، وہی عزت و جاہ  
بلدہ بندوں سے کیسا توقع رکھے ؟ لا حول و لا قوۃ الا باللہ

ایسا مشروب ، نہیا نکالا ہم نے ؛ خرقہ ، جبہ ، اُتار ڈالا ہم نے  
اے پھر مغاں ، تجھی سے بیعت ہے ہمیں ؛ لے ، اب تو پیٹا ترا پیٹالا ہم نے

لازم کہ بشر بجز نکوئی نہ کرے وہ بات کرے کہ شکوا کوئی نہ کرے  
ہوتانہیں استخوان زباں میں ، اے "قدر" ! نکتہ یہ ہے کہ سخت کوئی نہ کرے

## جوہر

مبادھو رام ”جوہر“ لالہ جواہر مل ساہوکار کے بیٹے، فرخ آباد کے رہنے والے ”مذہب“ شکوہ آبادی کے شاگرد رشید، مستند اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ایک دیوان یادگار ہے۔ اوائل چودھویں صدی ہجری میں وفات پائی۔  
کلام دلچسپ، صاف اور سستہ ہے۔ بے تکلف لکھتے ہیں، معاملہ گوئی ان کا خاص طرز ہے جو حدت سے خالی نہیں [۱]۔

### غزلیات

جن نکالوں سے لہا ہے دل شہدا میرا تھوکتا ہے آنہیں تہروں کو دلہنجا مہرا  
مہ نو، ابروے پر خم، نگہ برگشتہ ہم نے تیرا جیسے دیکھا اُسے خلیجہ جانا  
آتی ہے اُس کے کوچے سے آواز درد ناک ہم ہوں کہہ دل ہو، کوئی تو درنوں میں ہو گیا  
آہوں سے آگ لگا دیں گے دل دشمن میں چھپ کر رہتے ہیں جہاں آپ وہ تھوڑا دیکھ لیا

کھا پیاد کر کے روؤں کہ کیسا شجاب تھا  
کچھ بھی نہ تھا، ہوا تھی، کہانی تھی، خواب تھا  
اب عطر بھی ملو تو تکلف کی ہو کہاں  
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینا گلاب تھا  
مستمل نشیں جب آپ تھے لہلی کے روپ میں  
مجلوں کے بھیس میں کوئی خانہ خراب تھا  
پوری میں ایک ہی سے ہمیشہ رہیں گے دن  
وہ اور تھا زمانہ جسے انقلاب تھا  
تیرا قصہ وار خدا کا گناہ گار  
جو کچھ کہ تھا یہی دل خانہ خراب تھا

دُور سمجھ کے یوں نہ ملا مجھ کو خاک میں  
اے آسمان، میں بھی کبھی آفتاب تھا

کہا پوچھتا ہے حال، رہی دل کی دل ہی میں  
کچھ کہتے کہتے نزع میں بیمار رہ گیا

تھہری چو وصل کی تو ہوئی صبح، شام سے  
بیت مہرباں ہوئے تو خدا مہرباں نہ تھا  
کہا جانے کس کے دھوکے سے لپٹا لیا مجھے  
کہ دروں میں تیرے جی کی: تو اس دم یہاں نہ تھا  
کوونکر قسم یہ آج مجھے اعتبار آئے  
کس دن خدا تمہارے مرے درمیاں نہ تھا

یاد آتے ہیں جوانی کے مرے پوری میں قدرت اللہ کی، تھا وہ بھی زمانا کیسا؟  
آخر ایک روز تو پیوند زمیں ہونا ہے جامِ زیست نہا اور پرانا کیسا؟

غیر کے دل کو مے عشق، سمجھ کر دینا  
جام کم ظوف ہے، ملکہ تک نہ کہیں بھر دینا  
کہتے پھرتے ہیں یہ کوچے میں پرندوں کے:  
خانہ برباد ہیں، دھندے کو کوئی کور دینا  
یار بادے ہیں مصیبت کے قحط، اے ساقی،  
شیشہ جس دل سے اُسی آنکھ سے ساغر دینا  
یہ بھی ہے تھلک کوئی بادہ کشی کا، کیسا خوب!  
یہ کسی اور کو مے پھیر کے ساغر دینا

کعبے کی تو کیا اصل ہے اُس کوچے کے آگے؟ جلاست ہو تو چائے نہ گلہنگار تمہارا  
دردِ دلِ عاشق کی دوا کون کرے؟ سلتے ہیں مسیحا بھی ہے بیمار تمہارا

اُس نے پھر کر بھی نہ دیکھا، میں اُسے دیکھا کیا  
دے دیا دل راہ پھلتے کو: یہ میں نے کیا کیا؟  
دید و مسجد پر نہیں موقوف کچھ، اے خافو،  
یار کو مسجد دے سے مطالب ہے، کہیں مسجد کا کیا

گل تو کیا خار وطن بھیجے نہ تجھے میں کبھی  
 دوستوں نے مجھ سے قربت میں سلوک اچھا کیا  
 اے دل ناداں ' تجھے سمجھائے کوئی کس طرح ؟  
 تو جو چاہے گا کرے گا اور جو چاہا کیا  
 رازِ اُلفت اب نہیں چھپتا چھپائے سے مرے  
 بس چلا جب تک مرا ' مدد دھانپ کر رویا کیا

---

اتھن گل سے مناسب ہے حذر ' اے بابل ' ہاتھ رکھتا ہے کوئی ' جان کے ' انگاروں پر  
 تا صبح تیرے ہجر میں ہم کروتھیں بدلا کیے  
 دکھا ہے تکیہ رات بھر گلے ادھر ' گلے ادھر

---

چار آنکھیں ہوتے ہی برجھی جگر پر چل گئی  
 بات کچھ مدد سے نہ نکلی رہ گئے ہم دیکھ کر

---

ہم سے چھپا کے آنکھ لٹاؤ گے تم کہاں ؟ سب حال پوچھ لیں گے تمہاری نظر سے ہم  
 دیکھو ہماری آنکھ بھی اپنی نگاہ سے تم کسی نظر سے دیکھتے ہو کس نظر سے ہم

---

وقت پر چپ رہیں ' معاذ اللہ ! کہنے والے کہیں ہزاروں میں  
 اپنے مطالب کی مستحبت رہ گئی ہے آج کل  
 کیا زمانہ ہے ؟ کسی کا ' اے خدا ' کوئی نہیں

---

یہ واعظ کیسی بھکی بھکی باتیں ہم سے کرتے ہیں  
 کہیں چڑھ کر شراب عشق کے نشئے اُترتے ہیں  
 تکلف کے یہ معنی ہیں سمجھ لو بے کلمہ دل کی  
 مڑا کیا جب ہمیں نے یہ کہا تم سے کہ مرتے ہیں

---

دو سالہ قال کے لاشیہ آتے ہیں معلم  
 ابھی نہیں گئی ان کی ضرور کی باتیں

---

دھونڈ لیں گے جب کوئی تم سے تہی چوں آئے گا  
 ہم بھی اپنی فکر میں دھتے ہیں ' کچھ غافل نہیں

دو ہی دن میں یہ صدم ہوش رہا ہوتے ہیں  
 گل کے ترشے ہوئے بت آج خدا ہوتے ہیں  
 دل میں رہتے جو مرے اور ہی کچھ ہو جاتے  
 یہ وہ کعبہ ہے کہ بت جس میں خدا ہوتے ہیں

لگے اور بھی مے گلگوں کے جام دے \_\_\_\_\_  
 ساتی ابھی تو پیاس ہساری بجھی نہیں  
 ضعف میں مجھ کو اُٹھاتے ہیں وہ اپنے در سے  
 اے غم و یاس، پکڑو مرے بازو دونوں  
 یہ جاننا ہوں، مگر کھاکروں طبیعت کو \_\_\_\_\_  
 کہ مے حرام ہے، اے واعظو، حلال نہیں

کنز و دیں میں ہے خلش، برہمن و شہنشاہ سے بیچ  
 اِس دو راہ میں مسافر کو ہیں کھٹکے لاکھوں

زہر بھی کھاتے ہیں سر بھی کاتتے ہیں عشق میں  
 اے مصیبت، بے بسی میں لوگ کھا کرتے نہیں؟  
 ہو گئے ہیں مضطرب پر اب بھی غم کھاتے ہیں روز  
 آپ کے بیمار پرہیز غذا کرتے نہیں

اپنا دُپٹا اُس نے دیا مجھ کو بعد مرگ  
 ملتا ہے بے نصیب کے ایسا کفن کہاں

جس کو ہوا یہ عارضہ وہ جان سے گھا \_\_\_\_\_  
 دیکھے ہیں ہم نے عشق کے بیمار سینکڑوں

آج 'اے مرگ' کھلی ہستی موشوم کی اصل  
 کچھ سمجھتے تھے ہم اِس شے کو مگر کچھ بھی نہیں

تصور زلف کا ہے اور میں ہوں \_\_\_\_\_  
 بلا کا سامنا ہے اور میں ہوں  
 بُتوں کو کہوں دیا یہ قد و قامت \_\_\_\_\_  
 قہامت میں خدا ہے اور میں ہوں

اپنی کہیں کہ اِس دل خانہ خراب کی  
 لہلی خودی مہلاؤں تو پاؤں وہ وصال  
 تم کو جو ہو پسند وہی گفتگو کریں  
 کوئی نہیں جو آپ کو وہ تری جستجو کریں  
 کسی سے سوال شہشہ و جام و سبو کریں  
 پھر معال تو مست ہے آپ اپنے حال میں

دامن جدا ہے چاک، گریہاں جدا ہے چاک کس کو سیسوں بتائیں، کس کو رفو کریں

بہکی بہکی ہوں اُس کی باتیں ”ساقی، ساقی“ پکارتا ہو  
اُجلی اُجلی سی چاندنی میں گورا گورا بدن کھلا ہو

نیلند آنکھوں میں بھری ہے، کہاں رات بھر رہے؟  
کس کے نصیب تم نے جکائے، کدھر رہے؟  
شب جیسی گزری دن بھی گزر جائے گا مرا  
جائیں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے

کیا بتائیں مزاج کیسا ہے ہم کہاں، دل کہاں، خدا جانے

یوں تو ملے دیکھ کی ہوتی ہے مصیبت سب کو  
جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے

جس کے پامال ہیں کھانڈیں گے اُسی کی تھوکر  
کہہ دیا ہمت کے چل، او فغانِ مستشر، ہم سے

کھا پوچھتے ہو حسرت دیدار بعد مرگ تا چلند ملتظر مری آنکھوں میں دم رہے  
میرے ہوتے نگہ قہر رقیبوں کی طرف دیکھو دیکھو یہ تیر خطا ہوتا ہے

جان لے کر پھر چلایا تھا تو لازم تھا وصال  
کیا خبر تھی مسچھکو دم دے کر خفا ہو جائیں گے؟

خط لکھا یار نے رقیبوں کو زندگی نے دیا جواب مجھے

## کامل

علی مہیاں ”کامل“ محمد آباد گھنٹا ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا۔ ان کا خاندان محمد آباد سیدوڑے میں بہت مشہور ہے۔ اور عام و فضل کے اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا۔ ان کو خود اپنے کمال کا احساس تھا اور لکھنؤ کے شعرا ان کے کمال کا اعتراف کرتے تھے۔ کلام کا مجموعہ ان کے اعدا کے پاس محمد آباد میں محفوظ ہے۔

”کامل“ معمولی مضمون کو بلدش کی خوبی اور ترکیب کی چستی سے بہت بلند کر دیتے ہیں، تازہ مضامین بھی پیدا کرتے ہیں۔

### شذلیات

خدا سے مانگ کر روزی، تگ و دو کی اگر تو نے  
خجتل پائے طالب یا مفلعل دست دعا ہوگا  
چیوس گئے خاک ہم جب سرگیا دار و نیج فرقت میں  
وہ کشتی کیا بچے گی، فرق جس کا ناخدا ہوگا؟  
فقیر اللہ کے، جائز نہیں رکھتے تلاف کو؛  
وہ دنیا دار ہوں گے جن کے گہر میں پوریا ہوگا  
ہماری بلدیگی کی قدر اُس کو، اے بے ہوگی  
ہمارے بعد جو در پر تہا اے چہرہ سا ہوگا

مدار کار ہے نخواست پسہ نکلتہ دانوں کا ؛  
مزیز زخم جگر اس سبب سے ہے متجھ کر  
مقائے نقش قدم رھروں نے خوب کہا ،  
خزاں میں فم شب تیرہ کا بلبلیں نہ کریں  
ہوا کے ہاتھ میں دامن ہے پادبانوں کا  
کہ یادگار ہے احباب کی زبانوں کا  
کہ بیوقوفنا بھی تو مشکل تھا ناقوانوں کا  
چراغ بن کے جلے گا خمس آشیانوں کا

ہمارے دل کو، شکار اُنگٹو، ملال نہ دو کہ تیر خورہ ہے افلاک کی کسانوں کا  
کھل کر صفت شمع فلما ہوئے اعضا تابوت کا محتاج ہوا میں نہ کفن کا  
دنیا کی طمع کہوں نہ ہو انسان کو زیادہ اس چاہ کے انداز سے ہے طول، رسن کا

مدح سے کرتے ہیں جامل کو ٹلنا خواں مغرور  
بت کو سجدوں سے بلاتے ہیں پرہمن کیسا؟  
آشیاں ساتھ ہی لے کر ہے نکلتا بہتر  
میں گراں، باغ کو جب ہوں تو نشیمن کیسا؟

بلبل یہ رات دن کا چمن میں خروں کیا؟  
کچھ خیر ہے، کہیں گے تجھے اہل ہوش کیا؟  
کہوں زیاں کو شمع کے مانند بزم میں،  
بیٹھوں چراغ کشتہ کی صورت، خسوش کیا؟  
"کامل" کے سر میں روز ازل سے ہے سوز عشق؛  
دکھ گا سر کو وہ سر بالین ہوش کیا؟

اظہار شوق کر نہ سکی گل سے علیہ لبیب گلدچیں گیا تو باغ میں صیاد آگیا  
اک آسمان تازہ بلباتی ہے اُز کے خاک اس کو بھی کھا سلوئے ایچا آگیا  
چمکی جواب میں "ارنی" کے جو برق طور مجھ کو کسی کا چاند سا رخ یاد آگیا  
کچھ دیر بے تمیزوں کے حلقے میں بیٹھ کر  
"کامل" دھان گور مجھے یاد آگیا

ہجر میں بالین پہ، اے دل، موت ہی آبیٹھتی  
کوئی تو، میرے تجھے کا تماشا دیکھتا  
اُن کی مرضی تھی کہ خوش ہو تاجا کے دل کو میں  
پھونکتا خود اپنے کھر کو، خود تماشا دیکھتا

خضر کے مانند خواہاں زندگی کا نہیں؛  
اے اجل، تشنہ میں اس دریا کے پانی کا نہیں  
درد کو ہمراہ کہوں لاتا ہے دل میں وہ خندنگ؟  
کیا سلوئے خود اُسے راحت رسانی کا نہیں



سائے کے چھوٹ جانے سے دھرو ہوں کہوں ملول؟  
 کیا اُن کے ساتھ راہ میں نقش قدم نہیں؟  
 جاکر نساز کعبے کے اندر پڑھی تو کیا؟  
 طاعت ہماری مہارتِ نماز حرم نہیں  
 روشن ہیں کہوں چراغ کے ہمراہ مشعلیں؟  
 نہ آشیائے راہ ہمارا قدم نہیں

حاجت کا عجب چھپ نہیں سکتا جہان میں  
 ساعدیہ وہ ہے جس کے لیے آستین نہیں  
 میں کیوں کسی سے دبائے لگا اے حریم دوست؟  
 کیا تیرے آستانے پر مہری جبین نہیں؟  
 ”کامل“ یہ رفیعہ رفیعہ بزمائی ہے مشقِ صبر:  
 دل مرگیا ہے اور ہم اندوہگوں نہیں

گہٹا کر بدر کو لایا ہے حالت میں مہ نو کی  
 بدال دیتا ہے درِ چرخ ہیئتِ پاکمالوں کی

لاش مہری ہی جلائی اُس بت کافر کو تھی؟  
 کشتہ بیداد تھے آخر مسلمان اور بھی

میں ملاقات کو اُس کی جو حرم میں آیا  
 شیخ پہنچانے گیا تا درِ مہرخانہ مجھے

یہ سمجھ لے بزم میں اے شمع اُتی ہے اُتر؛  
 چلتے چلتے شام سے تجدید کو سحر ہو جائے گی  
 بلند ہوتے ہی لحد چلمے لگوں گے داغ کے  
 شام کے ہوتے ہی اِس گھر میں سحر ہو جائے گی

آرام چاہتا ہے تو صحرا میں آ کے بیٹھو  
 دیبا خنجر ہے نرمیِ فرش گداز سے  
 پیدا کیا ہے رخ کی محبت میں داغِ دل  
 ”ایا ہوں یہ چراغِ شبستانِ مہاد سے

نورس کی آنکھ باغ میں اچھی تھی یا بری  
"کامل" کسی کے عیب کی تو پردہ در نہ تھی

آدمی دیر میں یا خانہ دار میں رہے  
سر رہے دوست کے سجدے میں کسی گھر میں رہے  
باکمالوں کو زمانے نے ابھرنے نہ دیا  
صورت آئینہ تو بے ہوئے جوہر میں رہے  
چمپ ہوئے روکے تو کھیلچھوٹے شرر افشاں آئینوں  
ہم کبھی ابر کبھی برق کے پھکر میں رہے

آنکھوں کو ہلک کر تو دکھائی دے دوے دوست  
پوشیدہ آفتاب غبارِ نظر میں ہے

نہ دینا اس تصور کو جگہ اے دوست 'خاطر میں  
کہ تیرے ناک بھدان مہرے دل سے نکلیں گے  
نگاہ لطف سے محروم رکھے گا 'خوشی اُس کی  
دعا دیتے ہوئے ساقی کو ہم محفل سے نکلیں گے

#### قطعہ

نام کا تیرے وظیفہ تھا زبیاں کو صبح و شام  
مرحبا ' اے دردِ الفت ' عشق ہے تیرا ہی نام  
غمکدے میں خاطرِ ناشان کے تشریف رکھ  
میلز دل کو مشرف کر باعزاز تمام  
عشق وہ سرکار ہے جس کی زلفِ بختا ہے کلہوڑ  
عشق وہ بازار ہے جس میں ہے یوسف سا فلام  
عشق ہے صبحِ ازل کا حکمران بلند و بست  
عشق ہے شامِ ابد کا رمزدان اعظام  
عشق کے دریا کا اک قطارہ ہے ' نہرِ سلسبیل  
عشق کے صحران کا اک گوشہ ہے ' گلزارِ دوام  
عشق ہے وہ نور ' ہے امداد میں جس کا ظہور  
عشق ہے وہ ربط ' جس سے ہے عناصر کا قوام

بالغ مہیں ھے بوئے گل اور دشت مہیں ھے نوک خار  
سنگ کے دل مہیں شرور دریا مہیں ھے ماسی کا دام  
سرنگوں خلوت مہیں ھے اور انجمن مہیں سرگراز  
مدریے مہیں ھے کتاب اور معرکے مہیں ھے حسام

---

## ذاکر

ذاکر علی "ذاکر" شادپور ضلع فتحپور ہسوا کے دھلے والے آکرے کی کمشداری میں سررشتہ دار اور حاتم علی بیگ "مہر" کے شاگرد تھے - ۱۳۰۴ھ کے بعد وفات پائی - ان کا دیوان جس کا تاریخی نام "نغمۂ بہار" (۱۳۰۳ھ) ہے مطبع بہار ہند، آکرے میں ۱۳۰۴ھ میں چھپا - فارسی کا بھی ایک مختصر مجموعہ ان سے یاد گار ہے -

"ذاکر" بڑے پُر گو شاعر تھے - کلام میں سادگی، روانی اور صفائی کا عنصر کم ہے [۱] انداز بیان پاکیزہ ہے - اور تغزل میں "ناسخ" کا رنگ معلوم نہیں ہوتا بلکہ "آئیں" کا گداز موجود ہے -

### غزلیات

عیاں اُنہلے دل میں ہے جلوہ حسن جانان کا  
فہار اپنا ہے غارِ عارض خورشید تابان کا

کچھ گلہ اُن کا نہ شکوا مجھ کو چرخِ پیر کا  
آپ میں قائل ہوں اپنی خوبیِ تقدیر کا

قسمت میں جو لکھا ہے ملے گا وہی ہمشک  
یہ حصہ کمی ہمشکی کے قابل نہیں ہوتا

کعبۂ دل بت بیدیں جو ترا گھر ہوتا  
کون پھر تھرے خدا کہنے سے باہر ہوتا

[۱] - خدمتائے جاوید ص ۲۳۰، ج ۳ -

یوسف سے کہیں حسن جدا گانہ ہے اُس کا      فرق انداز ہے وہ شمع وہ پروانہ ہے اُس کا  
لیتا ہے بلائیں دل صد چاک ہمارا      اُلجھا ہوا بالوں میں کہاں شانہ ہے اُس کا

کہا تصور ہے تری انجمن آرائی کا !      بزم سے بزم کے ہے گوشہ مری تلہائی کا  
جس طرف آنکھ اُٹھاؤں وہی آتا ہے نظر      حسن جانان ہے مسخر مری بھلائی کا

خانہ دل ہے دم سرد سے تہمتا کہسا      صورت یاد چلے آئیے پردا کہسا  
جل مرے غم جو تم آگ بجھانے آئے      ہم نے گھر پھونک کے دیکھا یہ تماشا کہسا

لہا گدائی میں صورت سے اپنی کار زباں      چھپا سکی نہ خموشی کبھی سوال اپنا

وہ بت مجھ سے ناحق خفا ہو گیا      خدا کی خدائی میں کیا ہو گیا  
مجیب الدعا ہو گیا دستگیر      بلند اتلا دست دھا ہو گیا  
کوئی دم میں یہ بجائے گا قوت کر      دل درد ملد آہلا ہو گیا  
چھڑایا غم زندگی سے مجھے      مرض مہرا مجھ کو دوا ہو گیا

دل میں باقی ہے ابھی دشت نوردی کی ہوس  
پار تاروں سے نہ ، اے خار بھاپاں ، ہونسا

دے کے خط جان بھی دی ، دل بھی دیا قاصد کو  
ہم نے اُس آفت جاں کے لئے بھیجا کہا کیا

دشت غربت کے مڑے یاد رہیں گے جب تک  
دخ اُدھر اے کشش حب وطن کھا ہو گا

معاف کر دیے سارے گناہ روز شمار      خدا کو رحم جو آیا تو بے حساب آیا  
نہ ہوئی آہوں سے کم ، روشنی داغ چکر      گل کسی طرح چراغ اپنا ہوا سے نہ ہوا  
پر سجدہ کہوں سر جھکا ہے کسی کا ؟      وہ بت ، توبہ توبہ ، خدا ہے کسی کا

نہ چلا لب کے آسمان سے کبھی      مڑے مشیت غبار ، کیا کہنا !

کس کے گھر کی میں راہ بھولا ہوں      ڈھونڈے ملتا نہیں جو گھر اپنا  
ہم پری کہتے ہیں اُن کو ، وہ ہمیں دیوانہ      ایک مدت سے یہ جھگڑا ہے ہمارا اُن کا

پہلچوں ابھی چو ترک رہ مدعا کروں اِس راہ سے ہے منزل مقصود دور گیا

کس درجہ پائمالی کی ہے آرزو مجھے افتادہ ہوں میں صورت تصویر نقش پا

ناتوانی سے مزا عشق کا حاصل نہ ہوا  
میں ترے ناز اُٹھانے کے بھی قابل نہ ہوا

میٹھالے کا تو حضرت واعظ نہیں خیال ؟  
مسجد میں ایسے بیٹھے ہیں کہوں بیخبر سے آپ ؟

جاگے نصیب طالع خفتہ شب وصال  
سوئے نہ ساری رات جو بزم سحر سے آپ

کیا ہے پست زمانے نے اِس قدر مجھ کو  
زمین بلند ہے نظروں میں آسمان کی طرح

کہوں نہ ہوں صرف تواضع، ہمد تن چاہو کر ؟  
اُئی ہے مہری اجل گھر مرے مہماں ہو کر

کہتے ہوں ناز سے وہ رکھ کے قدم مدفن پر  
ہے مرے پانوں کا احسان تری گردن پر

کیا سمجھ کر کوئی مرے تجھ پر نہیں چلے کا اعتبار افسوس  
کیا خاک ہو غمِ دل اندوہ گیں غلط لکھا نصیب کا بھی ہوا ہے کہوں غلط  
دونوں جہاں میں تیرا بھلا شو کہ اے جہلوں تیرے ہی دم سے ہے ہم دنیا و دیں غلط  
جواب گریۂ شہلم ہے چشمِ تر مہری تبسم آپ کا ہے انتخابِ خلدۂ گل

اندوہ و درد و یاس و غم و حسرت و ملال  
کیا کیا نہ ساتھ لے کے چلے اِس جہاں سے ہم  
ویرانیِ چمن کا نہ صدمہ ہو، یا نصیب !  
مر جائوں کاش پہلے ہی فصلِ خزاں سے ہم  
نظروں سے آج اُن کی یکایک اُتر گئے  
رونے کا ہے محل کہ گریے آسمان سے ہم

صیاد کس کو اب ہے رہائی کی آرزو؟  
 کڈیج قفس میں خوش ہوں کہیں آشیاں سے ہم  
 روز حساب پر سمن اعمال کچھ نہ ہو؛ یارب، ترے کرم کے ہوں امیدوار ہم  
 خوفِ کُندہ سے ہو گئی صورت ہی اور کچھ؛ کیا ملے دکھائیں گے تجھے پروردگار ہم؟

اس درجہ محوِ لطف قفس میں کہ اب مجھے  
 یہ بھی خبر نہیں ہے کہ تھا آشیاں کہاں

دیر و حرم کا ہم سے پتا پوچھتے ہو کیا  
 ہم مست ہیں خدا کے، ہمیں کچھ خبر نہیں

اُن کا ہم مجلس نہیں حسن کے بازاروں میں  
 ایک یوسف تھا، سو وہ بھی ہے خریداروں میں

دھجھکیاں دامنِ صحرای کی آزا دیں گے، جنوں!  
 اب یہی تھہری ہے ہم چاک گریبانوں میں

دکھتا ہوں شانِ رحمتِ ایزدِ نگاہ میں  
 سو سو ثواب ہوں مرے ایک ایک کذاہ میں

رہی بعدِ رہائی بھی اسیری کی ہوں مجھ کو  
 نہ بھولا آج تک، صیاد، آرامِ قفس مجھ کو

صبا کبھی جو سوے کوے یاد چلتی ہے لیے ہوئے مرا مشیتِ غبار چلتی ہے  
 تہمے نہ سوزِ محبت سے ہر بھر آنسو، بد رنگِ شمع رہے ہم جس انجمن میں رہے

شب بھر کا سارا جلوہ ہے پھر صبح کچھ نہیں  
 پروانو، عمرِ شمع نہایت قلیل ہے

فرقت میں اُسے موت تو یہ کہ کے تالیں ہم اللہ سے ملوں گے نہ بے یاد سے

میں نے اے دیوانگی، دیکھا نہیں دنیا میں کچھ؛  
 آنکہ بھی خالق نے مجھ کو دی تو پتہ رائی ہوئی

خواب میں منہو تماشاے رخ یار رہے      شکر ہے عالم غفلت میں بھی ہشیار رہے

موت کا کس کے ترانے کے لیے پیغام ہے      عاشق جانہاز ہیں مرنے ہمارا کام ہے

اسدوی نے کیا ہے تلک جاں سے      گلا گھٹنے لگا طارق گراں سے

خدائی کا ہے دعوں کس زباں سے      کوئی پوچھے بتاں بے دہاں سے

جیسا تلہا مثال خضر تو کیا      میں در گذرا حیات جاوداں سے

یوں تو سب قائل تحریر مقدر ہیں، مگر

یہ بتا سکتا نہیں کرئی کہ لکھا کیا ہے

موت مہری شکل سے بھزار ہے      زندگی کی کیا ہو صورت، دیکھیے

کر گئے ہیں وعدہ محشر وہ آج      کب ہو فرداے قیامت دیکھیے

تم کہے جاتے ہو، میں خاموش ہوں      میں کہوں تو بات کیا رہ جائے گی

ایک ایک سے پوچھتا ہے جو اس انجمن میں ہے

فانوس میں ہے شمع، کہ وہ پورہن میں ہے



### صغیر

شاہ غلام حیدر [۱] "صغیر" لکھنؤ کے رہنے والے شیخ دھومن کے بیٹے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے۔ پہلے "ناسخ" سے پھر "رشک" سے تلمذ رہا۔ ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۷ء) میں وفات پائی۔ ان کا ایک مختصر دیوان "یادگار صغیر" جسے انہوں نے ۱۲۸۳ھ میں مرتب کر لیا تھا، ان کی وفات کے بعد خان بہادر شیخ احمد حسین "مذاق" تعلقہ دار پریانواں نے ۱۳۰۵ھ میں شائع کیا [۲]۔ کلام صاف، سادہ اور تقریباً تمام اصنافِ سخن پر حاوی ہے۔ تصوف کا رنگ غالب ہے۔

### مذاجات

اے خدائے دو جہاں خالق اکبر تو ہے      آفرینندہ مہر و مہ و اختر تو ہے  
ناچ بخش سر ہر خسرو و قصور تو ہے      سامع شور و فغان دل مضطر تو ہے  
تیری تسبیح میں ہر شے ہے : وہ معبود ہے تو  
جس نے تھو نڈا تجھے جس جا و میں موجود ہے تو  
قوت ہامرہ سب اعلیٰ نظر کو بخشی      آگ پتھر کو دی اور آب گہر کو بخشی  
تیر کی شام کو تلویح سحر کو بخشی      ملازمتِ عالم کو توقیر ہلر کو بخشی  
خاکساری میں شہانشہ کدیا درویشوں کو  
مہر و وصل دیا عشق کے دلریشوں کو  
زندگانی کا اثر چشمہ حیاں کو دیا      نور گرم آئینہ مہر درخشاں کو دیا  
جلوۂ سرور چراغ مہ تاباں کو دیا      جوہر عقیل دماغ سر انساں کو دیا  
اثر سعد دیا بال سما کے پسر کو  
ہیرے مٹی کو دیے لعل دیے پتھر کو

[۱]—سختن شہرا میں حیدر علی نام لکھا ہے۔ [۲]—یادگار صغیر (مطبع قومی لکھنؤ)

پارسائی مری بدتر ہے گلمکاری سے      فطرت خفٹہ ہے بہتر مری بیداری سے  
 خوب ہے خندہ میخوار مری زاری سے      آگہی ہے تجھ اخلاص و دیاکاری سے  
 کس گلمکار کے عصیان تجھ معلوم نہیں  
 پور ترے رحم سے خاالی کوئی معروم نہیں

#### ذمت

تن خاکی اگر ہر باہ ہو جائے تو ہو جائے      حریم جسم پہ لہواں ہو جائے تو ہو جائے  
 تمام اس عمر کی مہمان ہو جائے تو ہو جائے      دل ایذا شان یا ناشان ہو جائے تو ہو جائے  
 نہ چھوٹے زندگی سے حشر تک دامن پھمپر کا  
 پھوں دسٹ محمد سے پیالہ حوض کوثر کا  
 تصور ہے رسول اللہ کا آتھوں پھر مجھ کو      وہی نور خدا ہر وقت آتا ہے نظر مجھ کو  
 جمال پاک اُلفت نے دکھایا عمر پھر مجھ کو      یہی ورد زبان ہے رات دن شام و سحر مجھ کو  
 نہ چھوٹے زندگی سے حشر تک دامن پھمپر کا  
 پھوں دسٹ محمد سے پیالہ حوض کوثر کا

#### مذہبت

خالق نے فی تو تیغ شجاعت انہیں کو دی  
 حاتم سے بھی زیادہ سخاوت انہیں کو دی  
 گو اولیا بہت تھے ولایت انہوں کو دی  
 سب کچھ جو دے چکا تو شہادت انہوں کو دی  
 ان پر خدا نے مرتبوں کا خاتمہ کیا  
 طرفہ یہ ہے کہ زوج پے فاطمہ کیا  
 شیر خدا علی ہیں ید اللہ ہیں علی  
 شامان دو جہاں میں شہنشاہ ہیں علی  
 راز خدائے پاک سے آگاہ ہیں علی  
 مثل فبی مقرب درگاہ ہیں علی  
 ذات رسول پاک تو ہے رہنمائی کو  
 شیر خدا ہیں خالق کی مشکلمہ شائی کو

## خوبصورتی نعتیں

ابر رحمت کی صفت میں ہے مجھے تشنہ لبی  
 کون سی بات کہوں وہ کہ نہ ہو بے ادبی  
 خوب مقدموں بتایا ، زہے اعجاز نبی :  
 مرحبا سید مکی مدنی العربی  
 دل و جان باد فدائیت چہ عجب خوش لقبی

## غزلیات

خدا نہ دے کسی دشمن کو رنج تباہی  
 ہزار شکر کہ دل غم سے دافدار ہوا  
 مستی ساغر مے ہوتی اگر ، اے ساقی ،  
 عہد پوری کو میں ایام جوانی کہتا  
 کس طرح دل کو کھینچے سے لگائے نہ رہوں  
 یہ وہ آئینہ ہے جس میں رخ جانان دیکھا  
 جذب باطن سے مرے گھر وہ گل اندام آیا  
 آج مہرا دل بدعات بہت کام آیا  
 غالب بے روح کو وہ بے قراری اب نہیں  
 جان شاید اُس پریر پر فدا تھی میں نہ تھا  
 جذبہ دل نے مٹایا صدمہ کلج قفس  
 بوی گل آئی ہے و تسکون جان عذاب  
 پیام یار کہاں کا ، جواب خط کیسا ؟  
 مجھے ملی نہیں مدت سے نامہ بر کی خبر  
 توپ توپ کے لگاتا ہوں گھریں در پر  
 نہ درد دل کی خبر ہے نہ درد سر کی خبر  
 بتوں کی بے خبری سے تمام ہو جاتے  
 اگر خدا کو نہ ہوتی دل بشر کی خبر  
 دل دے چکے تھے آپ کو اب مر کے جان دی  
 وہ ابتداء عشق تھی یہ انتہاء عشق  
 قیس یہ دیکھتا تھا ناکہ لہائی کی طرف  
 کہ اُڑائے گی ہوا پرندہ محصل کب تک  
 جور و جفائے یار سے شکوا فہیں ہمیں  
 اپنے کدے کی آپ سزا کچھ تو پائے دل  
 تمہارے ظلم و ستم لکھ رہا ہوں گن گن کو  
 مرا حساب ہے روز شمار کے قابل

فراغت ہو گئی ہے ، اے جلوں ، چاک گرہماں سے  
نہ ہو بیتاب صکرا کا بھی دامن دیکھ لیتے ہوں

دونوں ہوں ایک ، نقل کو دیکھوں کہ اصل کو  
آنکھ اُس سے ہو جو مقابل تو کیا کروں

گو کہ چلت مہوں ہوں طوبی کے تلے پر ترا سایہ دیوار کہاں ؟

رہتی ہے بے خبری مجھ کو جہاں رہتا ہوں  
ہجر مہوں یہ نہیں معلوم کہاں رہتا ہوں

دوستو ، حال دل زار کہوں کیا اپنا ؟  
پوچھتے ہو وہی جو بات بتانے کی نہیں  
اشکوں سے جو سیدچھا تو پھلا نخل تمنا  
محبت نہیں ہوتی کبھی برباد کسی کی  
بیتاب ہوں میں وصل میں فرق سے زیادہ  
انداز ہوں دنیا سے فرالے مرے دل کے

ایک دن داغ اے مہ کامل دکھائیں گے تجھے  
چاک کو ڈالیں گے سونہ دل دکھائیں گے تجھے  
دیکھوں گے حضرت ہماری لوگ خون بھلی تری  
آج آنکھ سر متھل دکھائیں گے تجھے

کس کی صورت رزق دل پر اُتر آئی ہے  
وہی آنکھوں میں ہے پتلی وہی بھلائی ہے  
قسمت کے لکھے کو کیا کروں میں نامہ تو ہے نامہ ہر نہیں ہے

#### قصیدہ

راجن علی شاہ کی مدح میں  
شہ گردوں نشہوں ، قطب زمیں ، مہر جہانیدی  
سلیمان زمان ، سلطان عالم ، ظل سبحانی  
فریدوں سلطنت ، جمشید فر ، نوشیروان نصفت  
سکندر بارکھ ، دارا حشم ، کوشکسرو ثانی  
بیان حسن سیرت یا بیان حسن صورت ہو  
سکھائے حاتم طائی ، لکھائے ماہ کلمانی

جمال شاہ کا ہندوستان سے قاف تک فل ہے  
 حسینان جہاں خود رفتہ ہوں پریاں مہن دیوانی  
 اگر تصویر کھینچتی جائے اس روئے مہر کی  
 شعاع مہر ہو ایک ایک موئے خامہ مانی  
 فروغ چہرہ یوسف مرقع سے نظر آئے  
 مثال دیدۂ یعقوب اندھیرا گھر ہو نورانی  
 جلے شمع رخ ' پروانہ ہوش پری دریاں  
 ہوائے دعب سے گل ہو چراغ عقل انسانی  
 ہوا سے بے سبب جلدش مہن کمبہ دامن رایت  
 ہمارے فتح ہے شہپر سے مصروف مہسرانی

#### مسلسل

کہا بے ثبات گردش لہل و نہار ہے دن کو نہ ہے قرار ' نہ شب کو قرار ہے  
 شام بقا سے صبح فلا ہمکنار ہے مضمون یا نگ مرغ سحر آشکار ہے  
 غافل یہ وقت طاعت پروردگار ہے  
 اب چونک پچھلی رات کا کیا اعتبار ہے  
 سرو رواں مہن زور روانی کہاں رہا اڈلا سا لطف سحر بیانی کہاں رہا  
 سر چشمہ حیات مہن پانی کہاں رہا پوری مہن خواب عہد جوانی کہاں رہا  
 غافل یہ وقت طاعت پروردگار ہے  
 اب چونک پچھلی رات کا کیا اعتبار ہے

#### رباعی

کھونکر کہوں خوشگونی کی خو مجھ میں ہے  
 میں تجھ میں ہوں اے حسن جو تو مجھ میں ہے  
 خوبی ہے تو دعوے سے زباں بلند رہے  
 گل یہ نہیں کہتا ہے کہ پو مجھ میں ہے

#### مرثیہ

کہا مجلس حسین علیہ السلام ہے تسبیح سلک اشک ہے ذکر امام ہے

اس انجمن کا فرش بھی مدرس احترام ہے      منبر یہ طور ، ذاکر موسیٰ کلام ہے  
 فانوس ، رشک لالہ باغ خلل ہے  
 پیٹکا نہیں علم میں پر جبرئیل ہے  
 یہ بزم ہے وہ باغ کہ بلبل ثواب ہے      موتی ہے آب اشک ، پسینا گلاب ہے  
 شرمندہ داغ دل سے گل آفتاب ہے      سادات مومنین کی صفت بھگتساب ہے  
 جو بزم تعزیت میں ہے وہ حق پسند ہے  
 مثل عالم ہر ایک کا رتبہ بلند ہے

پیراھن سخن ہے پیر قامت زبان      اس پورھن کی جوب میں ہے گوہر زبان  
 ذاکر بھی ہے زبان بیاں سے گھر فشاں      منبر ہے لامکان تعلیٰ کو نردبان  
 مانند مہر و ماہ مضامین بلند ہیں  
 اس مرثیہ میں خلعت قدرت کے بلند ہیں

#### قطعہ

تہنیت انیس الدولہ بہادر

مبارک ہو الٰہی عہد کا دن      زیادہ ہو برس ہو شادمانی  
 قیام عہد دولت عمر بہر ہو      دھ ہو دم خدا کی مہربانی  
 برنگ نشتر صہبائے دیریں      ضعیفی تک رہ چرخ جوانی  
 ضحا بخش چہاں ہو نیر بخت      مثال نور مہر آسمانی

تاریخ مسجد شیخ عالم

زندگی ہے یہاں کوئی دم کی      برگ گل پر ہے بوند شہلم کی  
 نام عالم میں رہ گیا ہے ”صغیر“      یہی مسجد ہے شیخ عالم کی

۱۲۲۸ھ

تاریخ شادی شاہ مہدی عطا

بہت دن سے تھی آمد کشتخدا کی      شب عقد آئی ، ثمنہا بر آئی  
 بگے اس قدر بیابا میں خوان نعمت      گدا سے چھٹی بانوے بولہوائی  
 براتی ہیں سب اولیاء و مشائخ      رہے پاکیزہ زہ پارسانی  
 ہوئی شادی پانے سے آواز پودا      ہوئے ہاتھ مہدی عطا کے حنائی

( ۱۶۴ )

اماموں سے بارہ ملے سیکڑے جب تو نو قادروں سے ملی نو دعائی  
ہزار و دو صد ہوں فراہم نمود میں عیاں خدمت چست سے ہے اکائی  
۵۱۲۹۵  
وہ تاریخ معجزی ہے یہ سال فصلی ہمایوں ہمایوں ہو یہ کتخدائی  
۱۲۸۵ ف

---

## ہجیر

تربہون فاتحہ ”ہجیر“ پلڈت بشمبہر ناتھ ”صابر“ کے بیٹے ۱۸۵۳ع (۱۲۷۰ھ) میں فیض آباد کی تحصیل چلیا میں پیدا ہوئے۔ مکتب میں اردو اور فارسی کی تحصیل کے بعد کینڈک کالج لکھنؤ میں ایف اے تک انگریزی پڑھی۔ ”قدر“ بلگرامی سے مشورۃ سخن کرتے تھے۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے ’اودھ پنچ‘ اور اخباروں میں مضامین لکھا کرتے تھے۔ ۱۸۹۲ع (۱۳۱۰ھ) میں وفات پائی۔

”ہجیر“ بڑے بذلہ سلیج شاعر اور نثر نگار تھے۔ کلام سے سلاست اور روانی کے علاوہ ’طبیعت کی شوخی اور چلبلا پن نمایاں ہے [۱]۔

’اودھ پنچ‘ کا فیہا سال

بہار آئی ہے پھولے چمن، شجر ہیں نہال  
 ہرے ہیں سبزے سے جنگل، گلوں سے گلشن لال  
 چمن کو پھول مبارک ہو، پھول کو خوشبو  
 اودھ کو ’پنچ‘، ’اودھ پنچ‘ کو یہ دوسرا سال  
 برب کعبہ نرالی ہے سبج نرالی دھج  
 خدا گواہ، نہا سکہ ہے نئی تیس سال  
 یہ بول چال جدا ہے یہ چال تھال جدا  
 جدا سخن کی روش ہے جدا یہ طرز مقال  
 میں لوگ چھوڑتے ہیں قیل و قال پر اس کے  
 کہ جس طرح کسی صوفی کو آئے بزم میں حال

[۱]—بہار گلشن کشمیر ج ۲، ص ۷۸۔



مغاندین نے پتکا بہت سر اس کے لئے  
مگر تراش خواہی اس کی پائیں تھا یہ مہمال  
کہاں یہ فوق سما اور کہاں وہ نصبت تری  
کجا براق نبی اور کجا خر دجال  
ہے ابتدا ہی میں اس کے پس انتہا کا مزا  
خدا کی شان مہ نو میں حسن بدر کمال

بادۂ احمر لا دے ساقی  
نشا جمادے دام نہ مانگ  
چار جو پائے آٹھ آڑے  
جام یہ جام پلائے جا  
مانگے تو کہیں صاف 'نہیں' ہم  
میں میں دھورج رکھنا ساقی  
باتوں کا تیری خرچ بڑا ہے  
دوم و دوس لڑایا ہم نے  
دیکھ سب نے قلم کے چوبین  
حال دکن کا سارا چھاپا  
شام اودھ کا رنگ جمایا  
'پلچ' سے ملک کو پاتا ہم نے  
ہاں 'مے' رنگیں 'ساقی' لانا  
تشہہ لبی سے رند نہیں ترے  
سرخ شراب اور اودی گھٹائوں  
گڑ گڑ بادل 'پت' پت بوندیں  
چھوم کے آئے ابر بہاری  
کوسا نکھرا سارا ڈلمش  
فلچے چمکیں لے کے بلائیں  
دل ہو شگفتہ چین ہو ہرجا

اب تو پھول پلا دے ساقی  
پاس نہیں ہے بھونی بھانگ  
خالہ ساتھوں گھر کو آئے  
دام کا ذکر نہ لائے جا  
مسرف میں 'صرف' نہیں ہم  
'پلچ' کے دام بھی میں کچھ باقی  
رندوں سے اب کے پتلا پڑا ہے  
ریچہ کا ناچ نہچایا ہم نے  
بجلی چمکی اتر 'دکھن  
کابل پر بھی مارا چھاپا  
تور بتایا 'چور' بڈایا  
سال مزے میں کاتا ہم نے  
سال بھرے کی باقی لانا  
اُبلے 'مٹکا' مٹوہا برے  
گرم پتلا تھلکی ہوائیں  
خاک یہ برسوں چھوڑ بوندیں  
بلغ یہ برے باری باری  
نہر بوری ہے گردن گردن  
مانگے زبان سے برک دعائیں  
خوش رہیں یارب راجا پرچا

## جام چہاں نہا

دندوں سے کہیاں چھپے گا ساقی      پر سال کی مے ابھی ہے باقی  
بہر دے جام شراب ، چاندی      آمد آمد ہے سال نو کی  
کچھ فکر نہ کر تو اُس کی ، اِس کی      کس کی دھی اور دھ کی کس کی  
مجھکو مے بہہ شئی پلا دے      اپنے ہی گردۂ مہیں ملا دے

مرفان چمن کا چہچہانا      سبزے کا ہوا سے لہلہانا  
ہر سرو پہ قمریوں کی پرواز      بیماری حق سوزہ کی آواز  
گھلنے گھلنے ہوا کے جھونکے      گلدستے چلے ہوئے گلوں کے  
وہ صبح کا وقت اور وہ گلزار      آنکھوں میں سما گیا بس اکبار  
ہر مرغ چمن چمک رہا تھا      سارا جلجل مہک رہا تھا  
پھسلن تھی روش پہ اِس بلا کی      پھرتی تھی نسیم لڑکھرائی  
شبلم کا ہر ایک قطارہ ڈر تھا      ملنے فلجھوں کا موتیوں سے ڈر تھا  
اک ناز سے فہرین گھومتی تھیں      ہر پایے شجر کو چومتی تھیں

## لسان الغیب کشہور

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے      زمانے میں تخم حسد بونے والے  
جہالت کے چشمے سے منہ دھونے والے      خجودار او بہخود سونے والے  
گھٹیا کی طوح چھایا دھی ہے تباہی  
تری قوم پر آدھی ہے تباہی  
ترے ساتھ کھا قوم نے کی بوائی      جو گمنام فہرست ہر جا گھمائی  
یہ کھا تفرقہ ڈالنے کی سمائی      چھتے باپ سے بیٹے بھائی سے بھائی  
بھلا مقتدرے ریاست یہی ہے ؟  
شرافت یہی ہے ، نجابت یہی ہے ؟  
تری قوم کو اِس عداوت نے کھویا      جہالت نے کھویا ، حماقت نے کھویا  
بنا گھر ترا تیری عادت ، نے کھویا      تجھے فکر بیجا کی شامت نے کھویا  
وہ حالت ہے جس کا سدھرنا ہے مشکل  
تہ آب سے اب آب بھرنا ہے مشکل

میری قوم کے پیارے کشمیری بھائی یہ ہمت دھرمی کہوں اتلی دل میں سمائی  
گھٹا خوف کی کہوں ہے آنکھوں یہ چھائی سمجھ بوجھ کر کہوں ہے بے اعتنائی  
زرا دل میں سوچو تو اللہ صاحب  
ہے ظاہر میں کچھ 'دل میں کچھ' واہ صاحب !

یہ غالب ہوئی دنیوی تم یہ عورت کہ دنیا کو مقبول یہ دی تم نے سبقت  
بڑھی ایسی تکلف پہنچا کی عزت گھٹائی نکالوں سے ایمان کی وقعت  
نہ ہے اور نہ ہوگا یہ مسلک تمہارا  
مبارک تمہوں دھریا پن تمہارا

اے جوش قومس ' کہاں ہے کدھر ہے؟ یہ کیا ہو رہا ' دیکھ ' شام و سحر ہے  
کبھی تیری انصاف پر بھی نظر ہے؟ تری قوم کی ' دیکھ ' حالات بتو ہے  
جو مغلوں ہیں یا کہ ہیں صاحب زر  
نکالوں میں تیری تو ہیں سب برابر

بڑھی اس قدر " ہتھڑ " نا اتفاقی گئی چھوٹ آپس کی سب جوش مذاقی  
محبت کی بو تک رہی اب نہ پائی نہیں ہوتے بھائی سے بھائی ملاقی  
پھنسی قوم ہے ظلمت ما و من میں  
ترقی کا چاند آ گیا ہے کہن میں

### رشوت

ایمان کا گلا کاٹے وہ شمشیر ہے رشوت چھوڑے جو جگر عدل کا وہ تیر ہے رشوت  
مستحاج ہو زردار وہ اکسیر ہے رشوت ظالم بھی ہو قابو میں وہ دستگیر ہے رشوت  
رشوت ہی وہ دائیں ہے کہ جلتی نہیں جس کا  
رشوت ہی وہ ناگن ہے کہ ملتی نہیں جس کا  
رشوت ہی نے ہم ہندیوں کا نام ڈبویا رشوت ہی نے تصدیر کا یہ تختہ ہے ڈویا  
رشوت ہی سے اعجاز ہمارا گھٹا کھویا رشوت ہی سے حکام ہمارے ہوئے جویا  
بے آبرو رشوت سے ہوئے سب کی نظر میں  
رشوت ہی سے ایمان کی کشتی ہے بھلور میں  
راشی فضاں تیر خدا سے نہیں کرتے افسوس ' عدالت کی سزا سے نہیں کرتے

اللہ دے ستم! چور و جٹا سے نہیں قرتے صدحیف! غریبوں کی بکا سے نہیں قرتے  
یہ لوگ جدھر دولت دنیا ہے اُدھر ہیں  
اللہ سے کچھ کام نہیں، بندہ زر ہیں

حالت یہ غریبوں کی چلا آتا ہے رونا آرام سے گھر جن کو میسر نہیں سونا  
رشوت کے لیے بیچتے پھرتے ہیں بچہ رونا برباد اسی طور بدلا ہے انہیں ہونا  
تقدیر سے ناچار ہیں، کچھ کہ نہیں سکتے  
بیچارے بلا زر کے دیے رہ نہیں سکتے

سائل تن تہا ہے، ستمگار ہزاروں در اصل انار ایک ہے، بھمار ہزاروں  
اک جان کی خاطر ہیں طلبگار ہزاروں اک دل ہے فقط اور دل آزار ہزاروں  
پھر کس سے اس اندھیر کی فریاد کرے وہ  
کہوں کر نہ بھلا روپیہا برباد کرے وہ

چپراسی بھی بے نذر تھہرنے نہیں دیتے اسوار کو گھوڑے سے اُترنے نہیں دیتے  
بیدل کو کہیں پانو بھی دھرنے نہیں دیتے حاکم سے ملاقات بھی کرنے نہیں دیتے  
ملتی نہیں مہلت کوئی دم ان کے ستم سے  
ڈاکو کی طرح لوٹتے ہیں روپیہا ہم سے

## حیرت

محمّد جان خاں ”حیرت“ بایویڈ خاں [۱] کے بیٹے الہ آباد کے رہنے والے، مرزا اعظم علی ”اعظم“ کے شاگرد تھے۔ ان کے دادا جہانگور خاں فوج میں رسالدار تھے۔ ۱۲۹۹ھ میں دیوان شائع کیا۔ پھر ۱۳۱۰ھ میں اپنا کلیات چھپوایا [۲]۔

کلام میں گداز ہے، خصوصاً تغزل کا رنگ زیادہ دلپذیر ہے، اکثر بلند پایہ مضامین بے ساختگی سے کہہ جاتے ہیں، جس سے مشاق اور سخن سلیم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

## غزلیات

ہر جز میں ہر اک کل میں تو ہی تو نظر آیا سرِ قال کے جب پردہ تو خود میں چھانکا  
ہوں ملتظرِ رحم دکھا شانِ رحیمی توتے نہ سہارا مری چشم نگراں کا

یہ چرخ کیلئے پرورِ منجھ سے تیر ہی چال چلتا ہے  
اُٹھی منجھ کو صدمہ ہو نہ اس کی کج ادائی کا  
عجب کیا وہ نکلا پاک سے اس کی طرف دیکھیں  
کہ میرا دل تو اُٹیلے ہے اُن کی خود نمائی کا

کیا غلِ عرشِ اعظم پر جو حضرت کی سواری کا  
ملک بولے یہ رتبہ ہے بشر کی خاکساری کا  
اُتارو عکسِ روے یارِ اپنے شوشِ دل میں  
سلیمتہ ہے اگر ”حیرت“ تہہ پہن اُٹیلے داری کا

[۱]—سفن شعرا میں باز خاں نام لکھا ہے لیکن یہ عزت ہے۔ ملاحظہ ہو خاتمہ کلیات حیرت۔  
[۲]—صاحبِ خزانة جارد نے وفات ۸۷۵ھ کے قریب بتلائی ہے لیکن کلیات حیرت کے تاریخ سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۱۰ھ (۱۸۹۲م) تک وہ زندہ تھے۔

اُمیدِ رحم نے دنیا میں رکھ لیا مجھ کو چودل میں یہ بھی نہ ہوتی تو میں کہاں ہوتا

مہر و وفا و عیش و طرب کی تلاش میں  
رنج و ملال مجھ کو ملا میں جہاں گیا  
اپنا ہی حال تک نہ کھلا مجھ کو تاہم  
میں کون ہوں ' کہاں سے چلا تھا ' کہاں گیا  
اُنے سمجھ میں جب نہ یہاں کے تغیرات  
نہ رنگسازِ تم ہو ' تمہیں پر گماں گیا  
وہم و خیال و خواب ہے دنیا ہے ثبات  
جب تم گئے جہاں سے ' تم سے جہاں گیا

شاہس توری دستِ درازی کو اے جہاں ' دامن کا چاک تا بہ گریبان نکل گیا  
سن لیجھو ' جہاں ' کہ تری آبرو نہوں فصل بہار میں جو کہیں دل سنبھل گیا

میں دیکھ لوں گا خانہ دل ہی میں جب تمہیں  
تم بھی کہو گے : ہاں ' کوئی اہل نظر ملا  
گذری تمام عمر اُسی کے بیان میں  
افسانہ فراق بھی کیا مختصر ملا  
کلیج مزارِ روح کو کیسا مفت مل گیا  
جب قصہ تن اُجاڑ دیا تب یہ گھر ملا  
روزِ ازل ملے ہنسی تیرے بیچھے ہوئے  
دل بھی ملا تو صورتِ شمع سحر ملا

وہی ہوتا ہے جو کچھ ہوتی ہے مرضی اُن کی  
میں نے جو قصہ کیا دل میں ' وہ باطل تھہرا  
کہہ لچکتی ہے مجھے اب سوے عدمِ حب وطن  
مجھ کو دنیا میں نہ تو ' اے مری مشکل ' تھہرا

یہ عکس ہے تمہارے رخِ بے نقاب کا یا اُنے میں پھول کھلا ہے گلاب کا  
جاگا ہے مدتوں کا یہ سوئے گا دیو تک موقع ملا نصیب کو پیری میں خواب کا  
بہتا بہوں کو سمجھے ہیں پیداریاں بشر کہتے ہیں جسکو موت وہ عالم ہے خواب کا

کون بدننام ہوا لوگ کسے ہلستے ہیں      آپ سمجھیں تو نکتہ مجھ مری رسوائی کا  
گر مرا جذب دلی ایذا اثر دکھلائے      قاتل تم بھی پڑھو صبر و شکستہائی کا  
وحشت زدوں سے اطفال جلوس کچھ نہ پوچھو      ہم کیا کہیں کہ ہوتا ہے دیوانے پن میں کیا  
آنکھوں نے آپ کی تہ و بالا کیا جہاں      ہوتا ہے اور گردن چرخ کہن میں کیا

روز فرقت تو کسی طرح سے مر مر کے کٹا  
دیکھیں اب ہم کو دکھائے شب ہجران کیا کیا

پیمانہ دل عشق سے بھر جائے تو اچھا      ہر ریز کے یہ مرکز یہ تھہر جائے تو اچھا  
جس نے مجھے دنیا کے تماشاں کو دکھایا      اب اُس کی طرف میری نظر جائے تو اچھا  
ہو اُس گل دعا کی مجھے کون سا دکھائے      اے باد صبا، تو ہی ادھر جائے تو اچھا  
روتا ہوا آتا ہے خراباں جہاں میں      ہلستا ہوا دنیا سے بشر جائے تو اچھا

سرشار مے عشق یہ ہوتے ہیں اشارے      لبریز ہے اب عمر سے پیمانہ کسی کا  
بچپن کیے دیتی ہے باطن کی محبت      ناحق کوئی ہوتا نہیں دیوانہ کسی کا  
شریک روح ہے قالب میں آپکی اُلفت      یہ جب تلک ہے مرا دم نکل نہیں سکتا  
سموم عشق سے یارب بچاؤ دل کو      چراغ عمر ہوا گل تو چل نہیں سکتا

نہیں سلتا کبھی شیون کسی کا      آہی دل نہ ہو دشمن کسی کا  
بڑا پھلدا ہے زلف مشکبو کا      پورا اس میں اگر کوئی تو چوکا

کون جی دیتا ہے دل کون فدا کرتا ہے ؟      حوصلہ دیکھیے آج اپنے خریداروں کا  
تم نے روش توغ جو سکھائی نظر کو      ہم نے دل سرکش سے لیا کام سپر کا

یہ جتنے مذہب و ملت ہیں سب دنیا کے جھگڑے ہیں

زرا سمجھو تو خالق کون ہے شیخ و بوہمن کا

واں تو بیکار ہیں سب عقل و خرد ہوش و حواس

کوچہ عشق میں ہے کون نگہیاں کس کا

جس دن سے تمہیں دیکھ لیا پھر گیا مجھ سے      میرا نہیں، اب ہے یہ دل زار تمہارا

تیغ نگہ ناز کا مارا نہیں بچتا۔ اس گھاٹ جسے تم نے اُتارا نہیں بچتا  
کیونکہ نہ کریں آپ کی ہم دل سے اطاعت ہے اس کے تو ایمان ہمارا نہیں بچتا

آپ کے عشق میں ہیں زندگی و موت خراب  
ہم نے دونوں کو بہم دست و گریباں دیکھا  
جب کہا آپ کے جانباز کہاں رہتے ہیں  
چشم حسرت سے سوے گور گریباں دیکھا

یواہوس عاشق جو ہیں اُن سے کسی دن پوچھئے  
کس کا کس کا موسم دل میں گریباں چاک تھا

سنتے ہیں کہ بچتا نہیں مشتاق تمہارا جو کچھ ہو مگر ترک وفا ہو نہیں سکتا

ہر شب دکھانا پھرتا ہے شرمندگی کا داغ  
جب سے تمہارے بام کی جانب قمر گیا  
کہتے ہیں اُس کو زندہ جاوید اہل دل  
جو آئے آپ کے در دولت پتہ مر گیا

”چہرہ“ دم فلما بھی زباں پر ہو اُن کا نام  
نکلے قفس سے طائر جاں بولتا ہوا

سنا خلیج بکف قاتل کھڑا ہے آج مقتل میں  
چلیں جانباز، اب موقع ہے قسمت آزمائی کا  
زباں سے ہم نہیں کہتے مگر کانوں سے سنتے ہیں  
وفاداروں میں چرچا ہے تمہاری بدوفائی کا

تم زرا چشم عنایت سے اشارہ تو کرو لاکھوں ہو جائیں گے شرمندہ احساں پیدا  
اب ترے ظلم کی فریاد اُسی سے ہوگی تجھ کو جس نے کہا اے فتلہ دوران پیدا  
فوسائے تو آپ کی الفت کسے نہیں اک میں تھہر گیا جو گلہ مار کیا سبب  
کہتے ہیں ترے عشق نے رسوا کیا ہم کو کیا خوب نکالی مرے الزام کی صورت  
سوتا ہے اک جہان، تصور میں آپ کے میں لوٹتا ہوں اور مرا دل تمام رات



یاں تک کہا دیوانہ کہ بلبلے لگی زنجیر  
 اب آگے کہوں یا تو نہ پھیلانے صحبت  
 کھونکر بکھرنے جائے ہر اک اسکی پلکھڑی  
 فلجھ کے لگ گئی ہے نسیم سحر کی چوت  
 چشم جانوں میں ہم حقہ ہوئے  
 دیدہ انتظار کے باعث  
 ہو رہا ہے حلقہ زنجیر، ماتم خانہ آج  
 قید ہستی سے چھٹا شاید کوئی دیوانہ آج  
 پہنچتی ہے بابِ اجابت تک دعاے میکشاں  
 مژدہ، اے ساقی، کھٹا آئی سوے میخانہ آج  
 حال پرسی کو مری آیا جو وہ آفت جاں  
 دھب نہ دے دیے تازمے لب اظہار میں آج  
 خواب و خیال گلشن ہستی ہے، غاناو،  
 یاں کی خزاں بھی ہو بیچ، یہاں کی بہار بھیج  
 نہ نہاد آئے گی مجھ کو نہ موت آئے گی  
 بتائے تو شب ہجر میں گذر کی طرح  
 تھونکتا ہوں میں نہیں لگتا کہیں اُس کا پتا  
 کیا تمہاری آنکھ کے پردوں میں چھپ جاتی ہے نہاد  
 سرکشی نالہ خاموشی کی دیکھو تو زرا  
 بعد مرنے کے بھی اُٹھتا ہے بگولا ہو کر  
 کریں وہ سختیاں ہم پر جہاں تک اُن کا جی چاہے  
 دھیں گے ہم اُنہوں کے در پہ سنگ آستان ہو کر  
 جہاں سے چل بسے کیا کہا ہمارے قافلے والے  
 ہمیں پوچھے رہے افسوس گرد کلاواں ہو کر  
 ساقی مجھ جامِ مے وحدت نہ پلایا، میخانہ بنا کر  
 کہوں چشم فسون ساز کی گردن سے پھرایا، پیمانہ بنا کر  
 آمد و شد سے نفس کی یہ کھلا راز مجھے  
 کہ مرے دل کی خبر جاتی ہے سرکار کے پاس  
 جانبری کی مری اب شکل یہی ہے مولا  
 کہ تیرا دھم بھی آجائے گلہزار کے پاس

معجزہ مشق جس کو لوگ کہیں اُس گنہگار کا خدا حافظ  
 وہ بھی بہار دیکھ کے حیران ہو گئے اہل ازم کو جا کے جو ہم نے دکھائے داغ  
 شمع رو جب تک نہ آئے حسن مہفل ہے چراغ  
 جب وہ آ بیٹھے تو پھر تحصیل حاصل ہے چراغ  
 جس پہ چلتے ہوں پتلی گئے اُس کی لو تم سے لگی  
 صورت پروانہ دل سوزی ہوں کامل ہے چراغ  
 کب تلک تشام دیدار رہوں ہوں ' یا رب !  
 مجھ کو پہنچا دے مرے ساتھی کوثر کی طرف  
 غوطے کھانا ہوں ابھی تو بھر غم میں آپ کے  
 دیکھوں کب لے جاتی ہے تقدیر ساحل کی طرف  
 وحشو ' مژدہ علامت ہے بہار آنے کی خود بخود ہاتھ لپکتا ہے گریباں کی طرف  
 میں ہوں کہ نہ ہوں ارد کسی کام کے لائق ہو جائے زباں مہرے ترے نام کے لائق  
 کہتے ہیں جس کو رام اُسی کو رحیم بیٹی  
 اپنی سمجھ میں کچھ نہیں دیر و حرم میں فرق  
 تقدیر کا لکھا کبھی " حیرت " مٹا نہیں  
 ہوتا نہیں نوشتہ لوح و قلم میں فرق  
 اب تو ہے زندگی و موت میں جھگڑا ' دیکھیں  
 دونوں دھتے ہیں بہم دست و گریباں کب تک  
 نالے شب فرقت میں کیے میں نے سحر تک  
 اللہ دے غفلت ' نہ ہوئی تم کو خبر تک  
 متاع صبر کہو ' بیٹھے رقیبان سہ رو بھی  
 تمہاری راہ وہ ہے جس میں لٹ جاتے ہیں دھڑن تک  
 جہاں دل تیر مڑوں کے نشانے سے نہیں بچتا  
 نکاح شوق کہتی ہے بھلا چلیے تو چلمن تک

کہا بلبل نے قید کی ہیں تری قسمت کی خوبی سے  
 قفس بھی وہ ملا ہم کو نہیں ہے جس میں روزن تک

کہا رسائی ہو گئی اس کی بھی چشم یار تک  
 نیک آتی ہی نہیں اب دیدہ بودار تک

دیو و حرم اسی کے ہوں اے شہزاد برہمن کافر سے وہ جدا ہے نہ دیندار سے الگ

تمہیں جہاں میں رہو میں تو 'لو' عدم کو چلا :  
 تمہارا شہر جدا ہے مرا دیار الگ

دل ہے پسند لیجیے لیکن یہ شرط ہے پہلو میں آپ رہیے ہمیشہ بجائے دل

کطف کیا ہے گلوں میں نہ رہی بے وفا  
 اب مناسب ہے گلستان میں نہ جائے بلبل

سنبھالو ہمیں اب آپ 'سرور عالم' گذر گئے ہوں زمانے کے اعتبار سے ہم

او تلخ خو 'ہوے ترے عاشق کہاں سے ہم  
 جو دل میں ہے وہ کہ نہیں سکتے زبان سے ہم  
 مہمان چند روزہ کی دعوت نہ ہو سکی  
 شرمندہ ہو کے رہ گئے عمر رواں سے ہم  
 باغ جہاں میں ہم ہی تھے کیا لائق خزاں  
 ملتا کہیں تو پوچھتے اُس باغبان سے ہم

پکارا دست جلوں کو یہ دم خفا ہو کر  
 آنچھ گئے ہوں گریباں کے تار تار میں ہم  
 جسے سمجھتے تھے اپنا 'وہ دوست اُن کا ہوا  
 خراب ہو گئے اس دل کے اعتبار میں ہم

گلاہوں کی ندامت سے جو سر تالا گریباں میں  
 تو دیکھا نور ایماں کو چمکتے باغ صیباں میں  
 آہی خور کرنا بلبلوں کے آشیانوں کی  
 سنا ہے آتش کُل خوب بھڑکی ہے گلستان میں

تیرے عاشقی کو تو سب اہل وفا کہتے ہیں  
 اور جو اُس کو ستائے اُسے کہا کہتے ہیں  
 عشق کے 'حسن کے رتبے کے سمجھنے والے  
 ہم کو بھڑھو ' تمہیں ہوش رہا کہتے ہیں  
 میں ہم و درد سے نالاں ہوں ' میرے سہلے پر  
 رکھ دو وہ ہاتھ جسے دست شہا کہتے ہیں

آرام ہے اُن کو جو ترے معبود لقا ہیں  
 جب ہم کو دریا کے رہبر کی ہوئی فکر  
 اُدھر وہ باغبان ملتا تو اندھا پوچھتے اُس سے  
 اُدھر وہ باغبان ملتا تو اندھا پوچھتے اُس سے

بہکا رہے ہیں غمور وہ چھوٹا [۱] ہیں کھڑے  
 آنکھیں اُدھر ہیں دل ہے اُدھر بولتے نہیں

ہزاروں آفتوں میں بھی خدا کو یاد کرتے ہیں  
 فرشتوں سے نہیں ہوتا جو آدم زاد کرتے ہیں

یہ کہتے سمجھ کر بھڑھو بھڑھو زشت میں  
 آخر وہی ہوا کہ جو تھا سر نوشت میں  
 دوزخ کی راہ بھول کے پہنچا بہشت میں  
 ہم رہے کے کڑا کریں گے اکیلے بہشت میں  
 کعبہ میں بھی وہی ہے وہی ہے کلمت میں

نظر، بتاؤ ' جہاں سے بھاڑ پھڑے کیونکر  
 عدم سے اُن کے دنیا کو جانتے ہیں وطن  
 تمہارا نور ہے اِس آنکھ کے پردے میں  
 مگر ہے بے وطنی اِس وطن کے پردے میں  
 یہ شمع دھتی ہے فانوس تن کے پردے میں

معبود جمال کو نہیں آتے نظر کہیں  
 آتی نہیں ہے نہایت اچل تو ہی رحم کر  
 لگتی ہے روز دولت دیدار ہر کہیں  
 قصہ شب فراق کا ہو مختصر کہیں

تم تو دھتے ہو بدگماں دل میں  
 آخر میں ہم کمد اُلفت سے  
 اب تمہاری جگہ کہاں دل میں  
 لائے اُن کو کشاں کشاں دل میں

یہ حسد مجھ کو کہ اُن کا دوسرا عاشق نہ ہو  
اُن کو یہ ضد ہے کہ کوئی دوسرا ہو، میں نہ ہوں

خرام ناز سے تلوار کی رفتار پیدا ہے  
جہاں جاتے ہو واں گلیچ شہیداں ہوتے جاتے ہوں  
تلوں چھوٹتا جاتا ہے جوں جوں ہوش آتا ہے  
کچھ اپنی بدوفائی سے پشیمان ہوتے جاتے ہوں

اُلفت میں کسی کی کوئی مرجائے تو جانیں  
یہ کام ہے اپنا، کوئی کرجائے تو جانیں

نہیں معلوم یہ اندھور دھ کا کب تک یا الٹی شب فرقت کی سحر ہے کہ نہیں  
ظلم کرنے کا نتیجہ بھی کبھی ملتا ہے تم کو ہلکا سا مستحضر کی خبر ہے کہ نہیں  
آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں سامان سو برس کے ہیں کل کی خبر نہیں

جہاں کی سحر کر کے خانہ اصلی کو جائیں گے  
تماشا گاہ دنیا ہے، اسے مہلا سمجھتے ہوں  
نفس کی آمد و شد ہی نہ ہو، تو کیا اجارہ ہے  
طالع زندگی کو ہم تو ایک دعو کا سمجھتے ہوں

نشانِ کفش پا اُن کا ملے کہوں کر کہ دستے میں  
جہاں وہ پانو دکھتے ہوں، بشر آنکھیں بچھاتے ہیں

یہ زندگی ہے جسے اضطراب سمجھے ہوں  
وہ شکلِ موت ہے سب جس کو خواب سمجھے ہوں  
گئے شباب کے ہمراہ زندگی کے دن  
اب آگے جسم کی مٹی خراب سمجھے ہوں  
گنہ اگرچہ ہوئے بے شمار ہم سے مگر  
قرے کرم کو بھی ہم بے حساب سمجھے ہوں

ہم تو نگاہِ لطف سے بدھوش ہو گئے کچھ سحر بھی ہے کوا نظرِ التفات میں؟

دل گیا کوچک قاتل میں تو اب تک نہ پھرا  
جان بھی جانتی ہے اب دل کی خبر لانے کو  
گرمیِ حسن جلادے گی، خبر اس کی نہ تھی  
آئے تھے گلشنِ ہستی کی ہوا کہانے کو

یہ مسحور ہوئے دیکھ کے بے ساختہ یں کو  
آئیے میں خود چوم لیا اپنے دھن کو

کوئی نافرمان سمجھتا ہے کوئی دیوانہ  
دیدہ بازی ہے رقیبوں سے ہمارے آگے  
تو نے رسوا کیا آخر دل مضطر ہم کو  
دیکھتے ہیں جو دکھانا ہے مقدر ہم کو  
کہ دو پھر آئیں گے تسکینِ زبانی ہی سہی  
دینے و راحت کا بھی ایک وقت ہے ضرور  
آپ کے چہرے کے یہ میوے وفاداری کے  
اب تو وہیں سب کی زبان پر یہی افسانے دو  
جلوے فرماتے لامکاں تم ہو  
کوئی جس جا نہیں وہاں تم ہو

دیکھتے دیکھتے مرجائوں گے ہم یار کی راہ  
دم بھی نکلے گا تو اس دیدہ بیدار کی راہ

شہدار جو مشہور ہیں دنیا کے طالبکار  
جانتی تو ہے یہ ہمدرداں راہ طلبہاں  
وہ سب ہمیں انجام سے فاضل نظر آئے  
دیکھیں اسے کب عشق کی منزل نظر آئے

سنا ہے اُن کو منظورِ نظر تیغ آزمائی ہے  
کہاں شوقِ شہادت نے مری گردن جھکائی ہے  
سمجھ کر عاشقِ جانہاز انما مت سنا ہم کو  
اُسی نے دل دیا جس نے تری صورت بنائی ہے

اب لڑکھن چھوڑ دو عہدِ شباب آنے کو ہے  
ہو جس میں آؤ کہ وقتِ انقلاب آنے کو ہے  
دیدہ بیدار جو کچھ دیکھنا ہو دیکھ لے  
حشرِ نکاح جس سے نہ چونکے گا وہ خواب آنے کو ہے

نہ خطا اپنی نہ اُن کی ستم آرائی ہے  
یہ مصیبت ہمیں تقدیر نے دکھلائی ہے  
سخت مشکل ہے کرو ضبط تو جانتا ہے جگر  
اور کیفیت دل کہلے میں رسوائی ہے  
جان بچتی نظر آتی نہیں بیچھڑتی سے  
کیا ترے عشق کے پردے میں قضا آئی ہے

نکیرین آکے مرقہ میں جو پوچھیں گے تو کہ دوں گا  
میں بلند ہوں اُسی کا جس سے سب کا دم نکلتا ہے

کیا مری زندگی بسر نہ ہوئی      ہاں مگر ایک طور پر نہ ہوئی  
شب فرقت کی سختیاں دیکھو      دم فنا ہو گیا سحر نہ ہوئی  
آپ تک کون مجھ کو پہنچاتا      جب کہ تقدیر راہ بر نہ ہوئی

کیا جانے کس کے پاس گیا کچھ نہ پوچھو  
ہم سے ہمارے دل کا پتا کچھ نہ پوچھو  
کیا کہا خرابیاں شب غم کی بیاں کروں  
بے لطف زندگی کا مزا کچھ نہ پوچھو

کیا زمانے سے گئے عشق و مصیبت والے ؟  
اب کسی میں نہ مروت نہ شناسائی ہے

پہرتے ہی نظر تھری پورا مجھ سے زمانہ      معلوم ہوا گردش ایام یہی ہے

قاتلوں میں عجب انداز چٹا ہوتا ہے  
کوئی ترپے تو وہ کہتے ہیں ”یہ کیا ہوتا ہے ؟“  
یہ بھی نیورنگی قدرت ہے کہ بلڈوں میں ترے  
کوئی بیہوش کوئی ہوش ریا ہوتا ہے

بیٹھا ہی میرے پاس تو ملے پھیر کر وہ شوخ  
تقدیر کس مقام پہ پہلو بدل گئی

دیکھ کر عالم رویا میں اُنہوں میں سمجھا  
خوابِ فطرت یہ نہیں بخت کی بھاری ہے

نہ تو کچھ فکر میں حاصل ہے نہ تدبیر میں ہے  
وہی ہوتا ہے جو انسان کی تقدیر میں ہے  
اُس کا ہر فقرہ ہے بیچڑوں جو اب خط میں  
ہے طبیعت میں جو شوخی وہی تحریر میں ہے

سن تو اے دشمن دیں اب تجھے کیا ہے منظور  
کوئی دنیا میں مسلمان رہے یا نہ رہے

واہ دے شہرِ خموشاں کے بسانے والے کہ اُدھر جا کے پھر آتے نہیں جانے والے  
یہ ترے پلند و وعظ کون سنے؟ ناصحاً، عالمِ جوانی ہے

کس طرح سے دل آپ نے پتھر کا بنایا  
ہم کو بھی بتا دیجئے تدبیر کچھ ایسی

وطن چھوڑے تو کہو کس طرح قرار آئے  
عدم سے آئے تو دنیا میں اشدکار آئے

اے گلِ صدائے نالہ مرے ہر نفس میں ہے  
سیلے میں دل ہے یا کوئی بلبلِ نفس میں ہے

بہوش کیے دیتی ہے ناڈوں نظر کی  
اب ہم کو خبر ہے نہ اُدھر کی نہ اُدھر کی  
جب عشق نہ تھا چھن سے اوتار بسر کی  
اب جی سے گذرتے ہیں یہ صورت ہے گذر کی  
کروٹ تھی اُدھر کی، کبھی کروٹ تھی اُدھر کی  
کل آپ کی فوج میں یونہی رات بسر کی

رسوائے جہاں ہوتے ہو کیوں فیر کے باعث  
جو لوگ تمہیں کہتے ہیں ہم کہ نہیں سکتے



سلیمان تو ہوں اکثر کہ وہ آنے کو نہیں تیار  
لیکن مری تقدیر بھی جب راہ پر آئے

دست رسِ پیار پہ کھوں کرم مجھے حاصل ہو جائے  
اُس سے کیا زور چلے جس کی طرف دل ہو جائے

مذہب عشق میں عاشق کو معجب لطف ملا  
کہ نہ وہ کفر میں حاصل ہے نہ اسلام میں ہے

#### توجہ بیچ ہنسا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں  
مشعل ہیں آپ خالق اکبر کی راہ کی پور اصل کیا بھلا مرے بخت سیما کی  
سلیمان ہیں کوئی بھی مجھ دانخواستہ کی ہے آپ کو خبر مرے حال تباہ کی  
مشہور خلق آپ کی مشکل کشائی ہے

موقوف آپ پر مری حاجت روانی ہے  
بارِ الم نے میری کمر چور چور کی آتی نہیں نظر کوئی صورت سرور کی  
حالات بہت بُری ہے دل نا صبور کی ہو جائے مجھ گدا پہ عذابت حضور کی  
مشہور خلق آپ کی مشکل کشائی ہے  
موقوف آپ پر مری حاجت روانی ہے

#### قصیدہ

حضرت فوت پانہ کی شان میں  
فوت پاک اپنی دکھا دیجیے وہ شان مجھے  
جہوں سے مل جائے چمکتا ہوا ایمان مجھے  
جاؤں دنیا سے سبکدوش تو مستحضر میں کرے  
سرخرو ہیں خدا آپ کا احسان مجھے  
مہربانی سے مٹا کیجیے وہ طسور طریق  
کہ زمانے میں کہیں لوگ مسلمان مجھے  
ڈرے ڈرے سے جہاں نور الہی ہے وہاں  
وہ مددگار کا نظر آئے بہیمان مجھے

قاعہ

گل خلدان و چشم نم دیکھ ' زلف و سنبیل کے پھلچ و خم دیکھ '  
بتکدے میں بہت صلم دیکھ ' سیکڑوں بلادے درم دیکھ '  
اہل ثروت ' عرب ' عجم دیکھ ' صاحب طباکہ و علم دیکھ '  
ایک سے ایک محترم دیکھ ' چشم "حیرت" نے تم سے کم دیکھ '

## سلیم

گوری شکر ”سلیم“ تہیج بہان عرف اللہ چہیں سکھ کے بیٹے لکھنؤ کے  
 دھمے والے ، قوم کے کانستہ تھے - واجد علی شاہ کے زمانے میں تصنیف و تالیف  
 کا شوق ہوا - احمد مہرزا ”صابر“ سے خوشامیسی اور عروض سیکھا - مصمد  
 مہرزا ”انس“ شاگرد ”ناسخ“ سے مشورۂ سخن کرتے تھے - ان کا دیوان  
 ۱۳۱۲ھ میں چھپا -

کلام میں لکھنؤ کی قدیم شاعری کا رنگ چھلکتا ہے ، مضمون آفرینی  
 بڑی ہے - اپنے زمانے کے رنگ کے موافق استعارے اور تشبیہ کے دلدادہ ہوں [۱] -

## غزلیات

فیض صحبت نہیں ہے جوہر ذاتی ممکن  
 قطرۂ شہدیم کا صدف میں کبھی گوہر نہ ہوا

صاف باطن جو ہیں آتے ہیں برابر سب سے پیش  
 عکس آئینے میں یکساں ہے کدا و شاہ کا

وقت آرائش مقابل ہو کے دوے صاف سے آئینے نے کیا مزاج یار کو برہم کیا

دل و دین عشق میں ہوے بریاد دیکھو اب کرے زمانہ کیا

لے گیا رانا حقیقت پر مجھے عشق متجاز  
 ہر بت رنگیں ادا سلگ نشان ہوتا گیا

کبھی پہلو سے آنکھوں میں کبھی آنکھوں سے پہلو میں  
 قیام دل ہے شوق دید میں کب ایک منزل پر

وقتِ گریہ ، کارِ قـلزم دامن تو نے کیا  
گر پیوں بوندیں جو آنسو کی وہ گوہر ہو گلہیں

کیا کیا موس تھی آہِ دلی بے قرار میں  
کلیجِ قفسِ ملا مجھے فصلِ بہار میں

آنکھوں کو خوں دلائیے مڑکے کی یاد میں  
نشتہر سے چھوڑے رگِ ابر بہار کو

کہوں کیا تجھ سے حالِ دردِ فروقت  
حکایت ہے زیادہ ، رات کم ہے  
فیضِ ساقی سے کیا عجب ہے کہ ہے  
قطرہ قطرہ سبو سبو ہو جائے

اب لطفِ دید کیا ہے کہ آئے ہر نزع میں  
دل مارنے کی جب مجھے مہلت نہیں رہی

—————

## جوہر

چراہر سلنگھ "جوہر" منشی بختیار سلنگھ "راقم" کے بھتے لکھنؤ کے رہنے والے قوم کے کائستہ اور راجا لال جی کے حقیقی بھانجے تھے جو امجد علی اور واجد علی شاہ کے زمانے میں فوج کے بخشی تھے۔ کل مستند خاں "ناطق" اور خواجہ "وزیر" سے اصلاح لیتے تھے [۱]۔ اور مرزا "غالب" کے شاگرد رشید تھے۔ اردو کے پانچ دیوان ان سے یادگار ہیں۔ صاحب خمتانہ جاوید ۱۳۲۵ھ (میں) لکھتے ہیں۔ "ایام ضعیفی میں دس بارہ برس ہوئے کہ آپ کا انتقال ہو گیا" اس حساب سے تقریباً ۱۳۱۳ھ میں وفات پائی۔

زبان کی خوبی اور سلاست کے علاوہ کلام میں تصوف غالب ہے۔ اکثر جگہ مسئلہ وحدۃ الوجود کو تغزل کے مقبول رنگ میں بیان کیا ہے۔

### غزلیات

میں بھی اُس کے منظر میں کروں سجود نہ کیوں جوہر!

نظر آتا ہے 'جو کچھ ہے' نمونہ اُس کی قدرت کا

تہہرا وصال وعدہ فرداے حشر پر \_\_\_\_\_

دل میرے عشق سے مسرور ہوا 'خوب ہوا': \_\_\_\_\_

محبہ کو مارا تو نے 'اے بھدانگرا' اچھا کیا: \_\_\_\_\_

جلد لا سافرا لباس میں 'ساقی' میرے لعل \_\_\_\_\_

خار کی طرح ملی باغ جہاں میں تقدیر؟

جس سے لپٹوں وہ چہرا لپکتا ہے دامن اپنا

[۱]—سخن شہرا 'ص ۱۱۸ و خمتانہ جاوید' چ ۲ 'ص ۲۱۲۔

جنگانے صبح وہ بالوں پہ بے نقاب آیا اُتھو بھی صبح ہوئی سر پر آفتاب آیا

ہم آئے عشقِ یازی کو ؛ تم آئے دلدوازی کو ؛

کوئی اس عالم اسباب میں کب بے سبب آیا

میرے مرض کا کچھ نہیں بھر از فنا علاج دم لے کے تم یہ جائے گا اس کا کھلاج؟

سب کھیلتے تھے میں نالہ کرم اُس کے واسطے :

اک شمع نے لکائی ہے یہ انجمن میں آگ

صبر آہی جائے گا ؛ اے نا مصحو ؛ تھک کے خود ہو جائے گا ناچار دل

وہ بادہ خوار ہوں پہنچوں گا جب لب کوثر

تو دیں گے ساقی کوثر بھی بھر کے جامِ مجھے

## طاہر

طاہر علی ”طاہر“ سید اطہر علی کے بیٹے، فرخ آباد کے رہنے والے تھے۔ حضرت ”بصیر“ لکھنوی اور امداد حسین ”صفور“ فرخ آبادی سے تلمذ تھا [۱]۔ شاعری کی طرف ابتدا ہی سے طبیعت مائل تھی۔ ان سے ایک دیوان یادگار ہے۔ جسے ۱۳۱۲ھ (۱۸۹۳ء) میں مرتب کیا تھا اور ۱۸۹۵ء میں مطبع محمدی کانپور میں چھپوایا [۲]۔

غزل میں تلمذ و تصانیف سے کام لیتے ہیں، تصوف کے نکات دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں اور معمولی ترکیدوں میں بلند مضامین پیدا کرتے ہیں۔

### غزلیات

روز فرقت نے دیے داغ، جگر میں کیا کیا  
مشعلیں جلتی ہیں دن کو سرے گھر میں کیا کیا  
منہ سے سہکھا ہے شب غم میں جو اندازِ فغاں  
درد ہے نالہ مرفان سحر میں کیا کیا

تیر نظر سے جب تن لافز نہ آسکا  
تیروری بدل گئی کہ یہ کیسا نشانہ تھا  
دربا ہوا تھا اُلغت ساقی کے رنگ میں  
طاہر میں گو لب اس مرا صوفیانہ تھا

وہ نشکے میں نہ لواتے تھے آنکھ غیروں سے  
کسی زمانے میں یہ مہکدہ خراب نہ تھا  
اب اُس کی ہمدہ نوازی جو بھش دے ”طاہر“  
ہمارے جرم کی کچھ حد نہ تھی حساب نہ تھا

[۱]—سفن شعرا، ص ۳۰۱ و خاتمہ دیوان طاہر، ص ۲۵۹۔

[۲]—خاتمہ دیوان طاہر، ص ۲۶۰۔

آنکھوں ساقی سے ملا کر فہر جنب وخصت ہوا  
شریت دیدار پیمانوں میں بھر کر لے گیا  
مانگتا ہوں میں بھی مسجد میں دعاؤں وصل کی  
منجھ کو بھی عشق بتاں اللہ کے گھر لے گیا

چکر میں داغ جلوں بھگسنا دیتا جا      نشانہاں منجھ تو اے شباب دیتا جا  
بہار توبہ شکن آگلی ہے اے ساقی      چمن کی خہر ہو جام شراب دیتا جا

غائبانہ ہی محبت نے جسائے نقشہ  
میں نے اُس بت کو ' نہ زاہد نے خدا کو دیکھا

دیکھ لوں اہل نظر کھنٹ محبت میخانہ آج  
چشم ساقی کی طرح گردش میں ہے پیمانہ آج  
وحشت دل کی حمایت پا کے ' اے جوش جلوں  
عقل سے دست و گریباں ہے ترا دیوانہ آج

پہنچی کمد آہ فلک تک تو کیا ہوا      بام مراد عشقی ہے اِس سے سوا بلند

چار آنکھوں ہم نے کی ہوں ' تو قصہ نہ کھجھ  
سائل نہیں ' فقہر نہیں ' راہ گھر ہوں

حضور دیکھ تو لوں اپنے طاق ابرو میں  
میں دکھ کے بھول گیا ہوں دل خراب کہیں  
نہ آئے راز محبت زبان تک دل سے  
چھلک نہ جائے پیالے سے یہ شراب کہیں

کس خرابی سے ملا ہے در جانان منجھ کو  
یہیں رھنے دے اپا اے گردش درواں منجھ کو  
بخند چاک چکر کے لئے اے دست جلوں  
کوئی باقی ہو تو دے تار گریباں منجھ کو  
دھوکا دیئے گو فقہرانہ بھائی صورت  
پھر بھی پہچان گئے آپ کے دربان منجھ کو



وہی قفس میں بھی مرنے کی آرزو مجھ کو  
 گلے کا ہار ہوئی ہر رگ کلو مجھ کو  
 لحد میں رخ نہ کروں کوئے یار کی جانب  
 جب اضطراب بھی دھلے دے قبلہ دو مجھ کو  
 میں ساتھ ساتھ چلوں گا ابھی ابھی اے صبر  
 سنبھال لہلہ دے یار گلاہ تو مجھ کو

مال و دولت سے میں مستغنی ترے در کے فقیر  
 کیمیا ہاتھ آئی ہے نقش قدم کی خاک سے

بڑھ گئی شوق شہادت میں جو بہتابی دل  
 چال بسمیل کی تہارے جگر افکار چلے  
 شکر ہے ہو گئی آسان وہ ملک عدم  
 تھری تلوار کے سائے میں گنہگار چلے

وہ دور کر نہ چلیں جسم زار باقی ہے  
 ابھی الجھنے کو دامن سے خار باقی ہے  
 بڑھا چکے ہیں مرے سوگ میں وہ سب زیور  
 گلے میں اشک مسلسل کا ہار باقی ہے

اے گل ترے دیوانوں کی ہے وضع نرالی  
 ثابت ہے جو دامن تو گریبان نہیں ہے  
 ارباب صفا کو ہے تکلف سے غرض کھا  
 آنکھ کے گھر کا کوئی دربان نہیں ہے

ابرو کا جواب ' اے بہت عہدار ' کہاں ہے ؟  
 ' اس کاک کی ' ' اس گھات کی تلوار کہاں ہے '

## کیف

شونازہ ”کیف“ پبلکٹ بیسج ناتھ چک کے بھگے ایک کھلمہ مشق شاعر تھے شاعری سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ جہاں پہنچتے مشاعرے کی طرح قائل دیتے۔ سہارنپور، فیض آباد، گونڈا، آناؤ وغیرہ میں تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر رہے۔ پبلشن کے بعد ریاست جے پور میں دیوان ہوئے۔ پھر ۱۹۰۹ء سے لکھنؤ میں مستقل قیام کرلیا۔ گونڈے سے ”گلدستہ کیف“ ایک ماہانہ رسالہ ۹۰—۱۸۹۲ء میں جاری کیا تھا۔ دیوان چھپ گیا ہے۔ ۱۹۱۳ء (۱۳۲۲ھ) میں وفات پائی۔

کلام میں سلاست و روانی ہے۔ زبان سستہ ہے، بلدشہں چست اور دل نشین ہیں [۱]۔

### غزلیات

کس جگہ تھونکے تجھے والہ و شیدا تورا  
جب کہیں خاص نہیں کوئی تھکانا تورا  
تو وہ پکڑتا ہے کہ جس کا نہیں ثانی پیدا  
کوئی بتلائے کہاں ہے کوئی ہمتا تورا

”کیف“ اُمید دھائی قہر وحشت سے نہیں  
پانوں کی زنجیر اب دامان صحترا ہوگیا  
کیسا ہے کہاں ہے وہ، بتائے کوئی کیا ”کیف“  
پے نام و نشان کا تو نشان ہو نہیں سکتا

آہ بھی لب پہ تھی اور نالہ شہزاد بھی تھا  
رات مجھ سا کوئی اور اے فلک پھر بھی تھا  
پہاس بسمل کی بچھانے کے لئے مقتل میں  
آب خلجی بھی تھا آب دم شمشیر بھی تھا  
اُس کی معطل میں سوا تیرے بتا تو اے "کیف"  
کوئی خاموش بہلا صورت تصویر بھی تھا

نہ تھا جوش جلوں میں جب لہو کا ایک قطرہ بھی  
رگوں کو چھوڑ کر پھر نشتر فساد کیا کرتا  
تری قدرت کا جلوہ دیکھتا تھا میں حسیلوں میں  
سوا وحدت کے کثرت میں کسی کو یاد کیا کرتا  
کسے خیر ہے کہ روز شمار کیا ہوگا خدا ہی جانے کہ انجام کار کیا ہوگا

جو گیا واپس نہ آیا بس وہیں کا ہو رہا  
پوچھے پھر کوئی کسی سے کیا نشان کوئے دوست

وہ ہوں کم گشتہ میں راہ عشق میں اے "کیف" زار  
خضر بھی تھو نکلے تو پائے کچھ نشان مدت کے بعد

پاے وحشت درختا ہے پھر بیاباں کی طرف  
بزم رہا ہے ساتھ پھر چوب و گردیاں کی طرف  
قبل معشر ہو اگر منظور معشر دیکھنا  
چلتے پھرتے جائیے گور شریباں کی طرف

مر کے لانا میں وہاں کا کچھ پتا دور ہے ملک عدم نا چار ہوں  
آمد و شد سے نفس کی دمچم نہو گیا ثابت کہ میں اک تار ہوں  
بہولتا ہے عہد تو ہستی پر آسرا دم کا، اے حباب! نہیں  
پلا دے آب خلجی اور قاتل، ابھی باقی ہے دم اس نیم جاں میں  
ہم بھی جائیں گے سوئے ملک عدم جانے والوں کی خبر آنے دو

ہریانی تیں لباس ایلہا حاجت اِس کو نہہیں دےو کی  
 اللہ دے ہماری سخت جانی تہغ قاتل بھی خون تہو کی  
 ساقی بھر کر پلا دے اک جام ہو خیر تری ' ترے سو کی  
 مسیتھا کیا خیر لے گا کسی کی جب اُس کو آپ ہی ایلہی پڑی ہے

بعد مرنے کے کسی کو نہ دکھائی صورت مہلہ لپکتے ہوئے چادر سے خطاوار چلے  
 مرتے دم وضع کے پایہد یہ دونوں نہ رہے اک روش راہ عدم ' قافل و ہشیار چلے

کرے ضبط فغاں جب دل تو بتلا " کیف " فرقت میں  
 لبوں پر آکے پھر کس طرح آہ نارسا تھہرے

## قیصر

امین الدین "قیصر" شاہ ابوالمظفر کے بیٹے، شاہ محمد علیہم [۱] کے پوتے، مرزا اعظم علی "اعظم" کے شاگرد، شاہ اجمل الہ آبادی کے خاندان سے تھے۔ ۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ایک مختصر دیوان "فرمان سخن" مطبع نامور، الہ آباد میں ۱۳۱۸ھ میں چھپا۔ ۱۳۳۴ھ میں وفات پائی [۲]۔

کلام میں آتش کا رنگ اور بیوساختگی اور ندرت ہے۔ جذبات کی ترجمانی خوب کرتے ہیں۔ قافیہ اکثر تازہ اور شگفتہ ہیں، قصائد میں آمد کی کھفیت زیادہ نمایاں ہے۔

### غزلیات

کھلچے اے کلک نقشہ مطلع اہرے احمد کا  
 سر دیواں پہ چمکے تاج بسم اللہ کی مد کا  
 کھلا نام اسم سے اللہ کے منجھ کو محمد کا  
 پتلا لام مشدد سے ملا میم مشدد کا  
 نشان نقش پا ہے غیرت نور ید بیضا  
 چراغ طور پروانہ ہے شمع روے احمد کا  
 بہار گلشن فردوس پھر جاتی ہے آنکھوں میں  
 تصور رنگ لاتا ہے ترے روضے کے گلبد کا  
 کھے گدیکھ کر رضواں منجھ مشدو میں اے "قیصر"  
 چمک دو خلد میں مداح آیا ہے محمد کا

[۱]—الہ آباد میں "دائرۃ شاہ علیم" انہیں کے نام سے ہے۔ سخن شعرا میں انہیں "شاہ علیم اللہ" لکھا ہے۔

[۲]—"لغت جگر" پیدائش کی، "آہ شاعران" قیصر، وفات کی تاریخ ہے۔

اب کہاں ہے جاوے دیدار بے پردہ نصیب  
ایک دن موسیٰ سے لطف بے حجابی ہو گیا

امتی کہتے ہیں بللہ مجھے 'مولا تجھ کو  
اس طرح ذکر ہوا کرتا ہے مہرا تیرا

یہ اُن کے بے نشانوں کے نشان ہوں  
نہ مسکن ہے نہ ہے مدفن کسی کا

یہی "قبصر" ہے جنت کا وسیلہ

نہ چھوٹے ہاتھ سے دامن کسی کا

امانت ہے بتوں کا راز اُلغت دیدہ دل میں

تصور ہے مجھے آنکھوں سے اُن کی پردہ داری کا

چھکا کر نشئی میں سر ساقی مہکھن کے قدموں پر

لیا ہے بیگودی سے کام میں نے ہوشیاری کا

بتوں کو چہر کا شیوہ ملا سرکار خالق سے

ہمیں بخشا گیا سامان سب بے اختیاری کا

مرا خط کس طرح 'اے آسمان منزل' تجھے پہنچے؟

پر جبریل سے یہ شمع کا دفتر اُتھ نہیں سکتا

فقیری تیرے کوچے کی کہیں بہتر ہے شاہی سے

تری دولت سرا سے مر کے "قبصر" اُتھ نہیں سکتا

دیکھ کر اضطراب بسمل کا  
توت جانا ہے دل بھی قاتل کا

اُن کو بے عذر آج دے دیں گے  
یوں کریں گے معاملہ دل کا

خاک ہم راہ جستجو میں ہوئے  
نہ ملا پسر نشان منزل کا

اُن کی مڑگل تو پھر گم ہیں ہم سے  
کون کا گیا نکالتا دل کا

ہے نشئی پلدار عجب بادہ کشوں کو  
ساقی نہ کسی کا ہے نہ مہمانہ کسی کا

نظر آنا نہیں پہلو میں تھکا نا دل کا  
نہ ناز آزادی ہے نشان دل کا

زور بڑھتا ہے ناتوانی کا  
عشق اک روگ ہے جوانی کا

جاوے گر ہے وہ مہر پہلو میں  
لطف ہے صبح زندگانی کا

ساقی دری و شوں کی خچر کس سے پوچھو؟  
جو مہکدے میں ہم کو ملا 'بے خبر ملا

کیا کیا مکان ہیں تھرے لئے اے جمال یار  
دل میں جگہ ملی تجھے آنکھوں میں گھر ملا  
غفلت میں رہاے ہو گئی آخر تمام عمر  
پیوری میں بھی نہ وقت نماز سحر ملا

اے شمع جاں ' ہے بعد ترے قصر تن میں کیا ؟  
جب تو نہیں ' تو اور ہے اس انجمن میں کیا ؟

غضب ہے شام ہی سے وصل کی شب دل دھوکتا ہے  
خدا جانے کہ ہوگا حال کیا وقت سحر اپنا

جلد دکھلا سحر وصل کی صورت ' یارب  
دل شب ہجر بتاں سے مرا گھبرا اٹھا

خوب میرے حال سے واقف ہیں اے دل ' چشم و گوش  
لطف دونوں کو ملا ہے نامہ و پیغام کا

عندلیبو ' مجھے کدو خار نہ ہو سیر چمن ؟  
کوچہ یار ہی چھوٹا ' تو گلستاں کس کا ؟  
آج ہی دست درازی جنوں دیکھتے ہیں  
پردہ رہ جاتا ہے ' اے جھب و گریباں کس کا ؟

کر کے بسمل نہ مجھے ' شوخ ستمگر ' جانا	فصلہ آج تیرے کا مرے کر جانا
خانہ چشم میں دھوے مرے پردہ ہے یہیں	دیکھوے دیکھوے ' اچھا نہیں باہر جانا
یار نے خواب میں دیدار دکھایا ہے میں	بخت خفتہ نے جگایا ہے مقدر اپنا
لا تصور میں کسی شمع کا جلوہ ' اے دل	تو بھی فانوس خیالی میں بنا گھر اپنا
تو فی ادا کے وار اُٹھاتے نہ کس طرح ؟	پہلو میں داں نہ تھا ' کہ ہمارے جگنو نہ تھا
رہنا بتوں نے دل کا کیا اس لیے پسند	بہتر خدا کے گھر سے کوئی اور گھر نہ تھا

وہ شرم سہہ کاری سے ہر دم سر گریباں ' میں  
خدا کے سامنے اے دل ' حجاب آیا تو کھیا آیا ؟

اللہ دے شان مسکن ڈیشان مصطفیٰ کرسی سے بھی بلند ہے ایوان مصطفیٰ  
سایہ کرے گی نور خدا بن کے حشر میں اللہ دے شان وسعت دامن مصطفیٰ

جبکہ سا ہو در سلطان اُمم پر اے دل سیدھا ہوتا ہے وہیں جا کے مقدر اُلٹا  
خضر دل دیور سے کہیے کو لہے جاتا ہے راستہ مجھ کو بتاتا ہے یہ رہبر اُلٹا  
پھر آج سوے گلشن جھونکا چلا خزاں کا اللہ ہے نگہاں بلبل کے آشیاں کا

ملہ دکھانا ہے خدا کو بھی ' یہ اندھیر نہ کر  
حشر کا دن بھی کبھی ' اے شب ہجران ' ہوگا  
قطع ہوگا نہ کبھی سلسلہ پردہ دری  
اپنا دامن ' جو پھٹے گا ' تو گریباں ہوگا

چومے نہ فتح پائے ید اللہ کس طرح خیر کشا تھی قوت بازوے مرتضیٰ  
میں نہ جاتا لے گیا دھوکے سے جنت میں مجھے  
سامنے رضواں نے تھیرے گھر کا نقشا کر دیا

کھل گئیں صورت گل جامہ نو کی کلیاں رنگ لایا ترے دامن سے لپٹ کر سہرا  
قرط شادی سے سماتا نہیں پھر اہن میں اپنے جامے سے ہوا جاتا ہے باہر سہرا  
پھیلانے پانو ' ہاتھ میں جب دل لیا مرا نزدیک ہو کے یار کو دیکھا ' تو دور تھا  
اللہ دے پہنچو دی ' نہ ہوئی کچھ خبر ہمیں آئی خزاں ' گذر گئی فصل بہار کب ؟

جب چلی باد مخالف ' ایک دم میں مت گیا  
جسم خاکی بھی مرا تھا نقش تعمیر حباب

مانع آہ و بکا ' دشمن فریاد ہیں آپ  
سچ تو یہ ہے کہ غضب کے ستم ایجاد ہیں آپ  
وہ ہوا کہاتے ہیں غیروں کو لہے گلشن میں  
اور اے حشر دل ' مفت میں برباد ہیں آپ

ہمارے دیدہ بیدار ہم سے کہتے ہیں ہمیں کبھی نظر آئی نہ خواب کی صورت  
تھہرتھہر کے بھوک ' اے فراق کے شعلے ' مزا یہی ہے بھلے دل کباب کی صورت



تو عاشق جائے نہ ! اے شاہِ خوبیاں ، رہے سسایہ افکن ہمارے محبت  
نہیں کچھ یہ موقوف شاہ و گدا پر جسے چاہے بلندہ بنائے محبت  
مرا درد دل اُس مسکھاکو لایا مرض ہو گیا خود درائے محبت

کھول کر ہم دل کہیں گے خوب حال زار آج  
رحم پر آیا ہے برسوں میں مزاج یار آج  
شب کو تھے وہ ہم بغل وقت سحر کچھ بھی نہ تھا  
سہل کل تک زندگی تھی ، ہو گئی دشوار آج

شوق دیدار بڑھ گیا حد سے روزِ معشر کا انتظار ہے آج  
بے نہازی کا ہے غرور اُنہیں کوئی بلندہ جو بیقرار ہے آج  
دخ گلوں ہے پُر عرق اُن کا کیا تپکتی ہوئی بہار ہے آج؟

وصل میں فہم آگیا ہے تابِ نظارہ نہیں  
وہ تو نزدیک آگئے ہیں پر ہمیں ہوں دور آج

سبطین تھے گلدستہ گلزارِ نبوت تھی ایک میں بواہک میں تھی خورے محمد  
اے چرخ آج شب کو چڑھیں گے وہ بام پر دعویٰ ہو کچھ تو تو بھی زمین پر اتار چاند  
اکسور ہوا خواب ، مقدر مرا جاگا ، سونے میں ملی دولت دیدار محمد  
ہاتھ رکھا جو بدن پر مرے تپ دہر ہوئی دستِ جانان کی لکھروں کو میں سمجھا نہ ریخت  
کہا میں ”قصیر“ کہوں کس چہن سے گزری شب وصل  
رات بھر بے سار رہا میرے گالے کا تعویذ

روح آنکھوں میں چلی آتی ہے آنسو ہو کر پتھر لہتا ہے نگاہوں جو خفا تو ہو کر  
ہجرِ ساقی میں جو پیتھاروں کبھی اے ”قصیر“  
میرے گلدازِ تپک جاتی ہے آنسو ہو کر

مجھ کو حیرت ہے نہ اُتھتی تھیں کبھی شرم سے جو  
اب اُنہوں آنکھوں نے سیکھا ہے اشارا کیوں کر  
چہن آنا نہیں ہے آپ کے دیکھے اُس کو  
دل بہتاب پہ قابو ہو ہمارا کیوں کر؟

سوچتا ہوں کوئی پہلو نہیں ملتا مجھ کو :  
 دل مرے ہاتھ میں آ جائے تمہارا کیوں کر ؟  
 کوئی جاں بر نہ ہوا عاشق شہدا ہو کر  
 جان لی آپ نے کتلوں کی مسیحا ہو کر ؟  
 جان کر قہس کسی صاحبِ محفل کا مجھے  
 ناز کرتی ہے شب ہجر بھی لہلی ہو کر  
 راہ پر اُن کو نہ آنا تھا ، نہ آئے ، افسوس !  
 ہم یہاں مت بھی گئے نقشِ کف پا ہو کر ؟

سختیِ نزع کے صدموں سے ہوا چھٹکارا موت آئی تھی مرے پاس مسیحا ہو کر  
 حشر برپا نہ کرے آپ کی رفتار کا ناز دیکھو دیکھو ، اچھا نہیں ہر بار کا ناز  
 دامنِ گل کی ہوا چاکِ قہس تک لے جا اے صبا ، تو ہی اُتھا مرغِ گرفتار کا ناز  
 مجمعِ کافر و دیلمدار وہیں رہتا ہے کرچہ یار میں ہے دیو و حرم کا انداز  
 دیکھو کتنی ہے اے دل شب ہجر اُس کی آج بھتہب ہے مرے رنج و الم کا انداز

ہجر رہتا ہے وصالِ بت ترسا کے عوض  
 موت آتی ہے مرے پاس مسیحا کے عوض  
 دلِ مجنوں سے یہ ہر بار صدا آتی ہے  
 ہاے ، میں کہوں نہ ہوا محفلِ لہلی کے عوض

لہریز اُس کے دم سے ہیں مے کی گلابیاں  
 ” قہصر “ مجھے ہے ساقیِ کُشام سے فرض

خمرِ مے بہرِ خداِ ملہ سے لٹا دے ، ساقی  
 ہوگی سہری نہ مجھے ایک ہی چلو میں فقط

اللہ اللہ دے ناٹھرِ شرابِ عرفاں وجد میں جھوم رہا ہے سرِ مہرِ واضع

ملہ خمر کا پھیرِ شوق سے تو جام کی طرف  
 ساقی نہ دیکھ گردشِ ایام کی طرف

بہت تاب کر دیا یہ اسہری کے شوق نے  
خود مرغِ روح آرزو کے کیا دام کی طرف  
دنیا بے ثبات پہ تکیہ نہ کر کبھی  
اے دل ' خیال چاہوئے انجام کی طرف

کہا جانتے تھے باغِ جہاں خار زار ہے  
پچھتائے آگے گلشنِ ایجاب کی طرف  
کوچے میں تھرے اشک کے مانند ہم گرے  
تو بھی تو آگے دیکھ اس اُفتاد کی طرف

دیکھو اُتتا ہے حجاب رخِ تاباں کب تک  
نظر آنا ہے چراغِ تہ داماں کب تک

گو نقابت سے نہیں اب طاقت رفتار تک  
لو کھواتے جائیں گے لیکن درِ خمار تک  
یوں نہ مہری خاک کو بہرِ خدا برباد کر  
اے صبا ' بے جا آزا کر کوچہ دلدار تک

بدن میں بادہ کشوں کے چو اونگتا ہے لہو '   
کہاں سے آگئی ساقی تری شراب میں آگ ؟   
حرارتِ تپِ سحر سے جسم پہلکتا ہے ؛   
لگی ہوئی ہے دل خانماں خراب میں آگ

بلبل مہوں مجھ میں فرق بہار و خزاں کا ہے   
میں مبتلا ہوں آپ کا وہ مبتلا ہے گل   
یارب برا ہو صر صر خانہ خراب کا   
دو دن چمن میں چھوٹے سے رملے نہ پائے گل

زنداں میں لے جانے لگا ' دمِ ضم سے گھبرانے لگا ' سلجیل میں اُلجھانے لگا اندھو دکھلائے لگا   
دل پیچ میں آنے لگا ' زنجیر پہناتے لگا ' سر پر بلا لانے لگا ' اُس کا گل پہنچاں کا خم   
دوری میں تیری زاروں ' باغِ جہاں میں خاروں ' مدت ہوئی بیماروں ' بے مونس و غمقواروں   
آنکھوں سے دریاباروں ' متجربوں ' لاچاروں ' اب زیست سے بوزاروں ' سہلے میں گھبراتا ہے دم

صبا نہ جائیں گے اس سال لالہ زار میں ہم  
 کہ اپنے داغوں سے گلشن ہوئے بہار میں ہم  
 صبا کی طرح پتلیوں کی شکل، ہو کی روں  
 ہر ایک رنگ سے جاتے ہیں بزم یار میں ہم  
 جفا کی خو ہے اُنہیں ہم وفا یہ مرتے ہیں :  
 نہ اختیار میں وہ ہیں، نہ اختیار میں ہم  
 ہوا شباب میں برباد گلشن ہستی :  
 برونگ ہوے چمن اُز گلے بہار میں ہم

دل ہے کہاں، جگر ہے کہاں، ہوش ہے کہاں ؟  
 مدت گذر گئی کہ کسی کی خبر نہیں  
 کرلیں گے درد سر کا ہم اپنے علاج بھی :  
 دیوار آپ کی نہیں، یا سلگ در نہیں ؟

بلے شہنخ و زاہد بھی اُس بست کے بلدے کہاں رام، اللہ والے، ہوئے ہیں ؟  
 بتوں کے ہے جلوے میں شان آہی برہمن بھی اللہ والے ہوئے ہیں  
 گماہوں کی، ”قیصر“ ندامت ہے ہم کو :  
 گریباں میں سر ایلا ڈالے ہوئے ہیں

وہ سلتے کیا، عجیب کمبخت افسانہ ہمارا ہے  
 زباں پر آگیا تھوڑا سا، باقی رہ گیا دل میں  
 وہ بحر حسن کہتا ہے کنارہ کش ہو وصلت سے  
 کوئی دریا کبھی سوتا نہیں آغوش ساحل میں  
 نگاہ شونخ اُن کی جب نکل آتی ہے پردے سے  
 دیا اُس کو چھپا لیتی ہے اپنی آنکھ کے تل میں  
 پے فریاد محشر میں نہ خالی ہاتھ جائیں گے  
 رگ جاں کا لہو بھر لیں گے اپنے شیشے دل میں  
 مری آنکھوں کے پردے دیکھتے کہا کام آتے ہیں  
 چلے آتے ہیں وہ اُن کھڑکیوں سے خانہ دل میں

دبا کر غور کا پہلو ' نہ بھٹھو اپنی محفل میں  
 کہا مالو ' مری جاں ' درد اُٹھتا ہے مرے دل میں  
 خدا کی یاد کے پردے میں اک بت کی پرستش ہے  
 چھپا رکھا ہے بتخانہ بھی میں نے کعبہ دل میں

نقوش ہو ریا ہوں ' نقوش پا میں ' نقوش باطل ہیں  
 ہم اپنی خاکساری سے مٹا دیئے کے قابل ہوں

لہو روٹوں نہ کیوں کر طالب دیدار کی آنکھیں  
 مقدر کی طرح سے پھر گئی ہیں یار کی آنکھیں

فٹ میں بھی نہ چھٹا سلسلہ خاموشی  
 غل ہوا خانہ زنجیر سے باہر کس دن ؟  
 آپ ' فرماؤ ' کب تھے نہ بتوں کے بلدے ؟  
 کشور دل پہ حکومت رہی "قصر" کس دن ؟

اے چلوں ' دست دوازی کا تری خوف نہیں :  
 نہ تو دامن ہوں کسی کا ' نہ گریبان ہوں میں  
 وعدہ روز ازل نبھ نہ سکا غفلت سے :  
 شرم عصیان سے نہ کیوں سر بے گریبان ہوں میں ؟  
 گل ہوا چاہتا ہے غم سے چراغ ہستی :  
 دم کا مہمان ترا ' اے شب ہجران ' ہوں میں

وقفہ نہیں ہے دم کا بقاے حباب میں  
 کہا ہے ثباتہاں ہیں جہان خراب میں  
 اصرار مجھ کو ' وصل سے ' انکار ہے اُنہوں :  
 کہا لطف ہو رہے ہیں سوال و جواب میں !

پڑے سوتے ہیں سب ' احوال سوز دل نہیں کہتے :  
 چراغ زندگی خاموش ہے گور گریبان میں  
 صحت دیر و حرم کی فکر میں برباد ہوتے ہو :  
 چلو "قصر" رہو تم خاک بن کر کوئے جانان میں

آہی کعبہ مقصود تک کس طرح پہنچوں گا؟  
شکستہ پاہوں، دور افتادہ ہوں، گم کردہ منزل ہوں

چہے ہیں سر بسر تلووں میں اپنے خارِ ناکامی  
تمنا میں تری، اے حسرتِ منزل، تڑپتے ہیں

توہی خوشبو آزا لائی ہے اُن کے باسی ہاروں کی؛  
صبا، ہم تیرے ہی سر آج یہ سہرا سمجھتے ہیں

ہم اپنی جان سے گذرے، تو یہ کھلا عقدہ :  
چھپی ہوئی تھی اجلِ یار کے تغافل میں  
خزاں کے آتے ہی گلشن کا رنگ اور ہوا :  
نہ عذراؤں چمن میں، نہ رنگ ہے گل میں

تجھ کو بے فائدہ اُمید مسکھائی ہے ؛  
کب دوا تیری وہ اے دردِ جگر، کرتے ہیں؟

کھلتا نہیں ہے : وہ کسے چہراں بلانہیں گے ؛  
آئینہ بندی کرتے ہیں اپنے مکان میں

ہمارے گھر کا پتلا پوچھتے ہیں لوگوں سے ؛  
کچھ اب تو راہِ یہ، اے دل، وہ آتے جاتے ہیں  
ہیں تو اُن کے مقدر یہ رشک آتا ہے  
جو اپنے طالعِ ختمہ چکاتے جاتے ہیں

خدا کے واسطے، اے جذبِ دل، اُنہیں تھہرا ؛  
غصہ ہوا کہ وہ قابو میں آئے جاتے ہیں

ہے ہستیِ مہرِ حباب لبِ دریا دم بھر کے لیے سر نہ اُٹھا بحرِ فلما میں

دنیاے دس کا رنگ نہیں ایک طور پر :  
اس باغ میں بہار کہیں ہے، کہیں نہیں  
اک خواب ہو گیا ہے مجھے عالمِ شباب ؛  
اب تھوکتا ہوں میں، وہ زمانہ کہیں نہیں

تھری دیوار قلعے حشر بیٹا رہتا ہے :  
 مہرے نالوں میں گھامت کا اثر ہے کہ نہیں ؟  
 حضور دل شب فوجت میں جو کھجراتے ہیں  
 منجھ سے کہتے ہیں کچھ اُمید سترہے کہ نہیں ؟

فرور حسن ہے ، اٹکھیلوں سے چلتے ہیں  
 وہ مست ناز ہیں ، جام شراب ہیں آنکھیں

ساقیا ، توڑ نہ شیشے کو ، نہ پوسالے کو  
 باب توبہ کی طرح کھول دے منتھانے کو  
 خون ناحق کا عبث شمع یہ ہوتا ہے گماں  
 آنہں عشق چلا دیتی ہے پرولے کو

تھرا ہی تو ہے کعبہ و بتھانے میں جلوہ :  
 توہی نظر آتا ہے میں جانا ہوں جدھر کو

قصہ عاشق و معشوق رہے گا نا حشر ؛  
 جانوں کے پیچھے خدا دست و گریباں دونو

اک آن میں ادنیٰ کو بلادیتی ہے اعلیٰ ؛  
 اللہ کی سرکار ہے ایسی کہ نہ پوچھو  
 واں آنے میں حاجت ہے ، یہاں دم ہے لبوں پر :  
 مشکل مری دشوار ہے ایسی کہ نہ پوچھو  
 ہکلا کے اُلجھتے ہیں تمہارے لب شیریں :  
 آپس میں یہ تکرار ہے ایسی کہ نہ پوچھو

دھچکھاں دامن دل تک کی آرا ڈالیں گے  
 اے جلوں ، چاک تو کرنے دے گریباں ہم کو

شباب ، بال کا باندھا ہوا ، چلا آئے ؛  
 رہے نہ نام کو پوری ، خضاب ایسا ہو

پرسش نے تمہاری دین و دنیا سے ہمیں کھویا :  
 بےسو ' کہتی ہے اب ساری خدائی برہمن ہم کو  
 ہوئے حیراں سحر کو دیکھ کر ہم شامِ غربت میں ؛  
 بہت رویا کھے ' یاد آگئی صبحِ وطن ہم کو

اے داغِ عشق ' خانہٴ دل کو فروغ دے ؛  
 وہ گھر ہے بے چراغ کہ جس گھر میں تو نہ ہو

اے یار ' چھوڑ اپنی تلون مزاچھاں '  
 دشمن کی دوستی سے ہمارا عدو نہ ہو  
 آیا ہے بھول کر ' تو ادب دے نہ ہاتھ سے  
 زاہد ' یہ بتکدہ ہے ' یہاں قلمِ دو نہ ہو

طول ہے روز قیامت سے کہیں بڑھ کے ترا ؛  
 کب ہے اُمیدِ سحر ' اے شبِ حیراں ' مجھ کو ؟  
 ضعیف اب حد سے بڑھا ہے مدد ' اے چوہں جلوں ؛  
 طوق آہن ہے ہر اک تار گردِ بیاں مجھ کو

یہی فتنے جگاتی ہے ' یہی معشر اُٹھاتی ہے  
 قیامت کے طریقے یاد ہیں رفتارِ جاناں کو

بزمِ مہن عالمِ حیرت ہے ترے جلوے سے :  
 صف کی صفِ نقوش یہ دیوار ہے ' اللہ اللہ !

ساقی سے ایک جام بھی پیا یا نہ بزمِ مہن '  
 ہم پانی پانی ہو گئے اپنے بڑھا کے ہاتھ

کشا کھ میں ہیں وہ بھی ' مہن بھی مقتل میں تو پتا ہوں  
 مجھے ہے زخمِ دل کی فکر ' اُن کو اپنے پھنک کی

ہے رنگِ مرا نوحِ دگر ' دیکھ تو لیتے ؛  
 درِ پھنک ہے جلمت کا سفر ' دیکھ تو لیتے



ایک روز تو آجاؤ ، بھو ، کہہ ڈال میں ؛  
 کہا نور ہے ، اللہ کا گھر دیکھ تو لیتے  
 کہہ ہے وہی ، دیر وہی ، دل بھی وہی ہے  
 کہوں ٹھوکر میں کہاتے میں بشر ؟ دیکھ تو لیتے

شہادت تیرے ہاتھوں گر مہسر ہو ، تو بہتر ہے ؛  
 ترے قدموں پہ اے قاتل مرا سر ہو ، تو بہتر ہے  
 مجھے سونے نہیں دیتا لحد میں وعدہ فرما ؛  
 الہی ، آج ہی سامان مہسر ہو ، تو بہتر ہے  
 حرم میں جا کے خالق سے بتوں کا کیجھو شکو  
 یہ ذکر خیر ہے ، کہہ کے اندر ہو ، تو بہتر ہے  
 نہیں اُٹھتی کسی صورت الہی سختی ہتھوں  
 مرا بھی دل بتوں کی طرح پتھر ہو ، تو بہتر ہے  
 جسے دونوں جہاں کی حق نے بخش دی شہشاہی  
 اُسی در کے کدا ، تم چل کے ”قیصر“ ہو تو بہتر ہے

رہی نزدیک راہِ وادی پر خار تھوڑی سی ؛  
 مدد کر ، اے چلوں ، میری دم رفتار تھوڑی سی  
 بہت ہے اشتیاق جلوۂ دیدار آنکھوں کو  
 دکھانا ہے تجھی روزن دیوار تھوڑی سی  
 جہاں تک دیکھنا ہو ، دیکھ لے اس مہلا تباہ کو  
 رہی ابارات بھی ، اے حسرت دیدار تھوڑی سی

بلا سے دم نکل جانا ، نکل جانا تھ خلیج ؛  
 مگر جی بھر کے تجھ کو ، اے ستمگر ، دیکھ تو لیتے

بادلہ دیکھو دی دیا جس نے ، پھر کسی کی ایسے خبر نہ ہوئی  
 جان لی صدمہ جدائی نے ؛ بے ترے زندگی بسر نہ ہوئی  
 تیرے قامت کا ذکر گھر گھر ہے یہ قیامت کدھر کدھر نہ ہوئی ؟  
 زندگی کمت گئی شب غم میں ، نہ ہوئی آخرش مسکرا ، نہ ہوئی  
 پڑیاں ہے فقط یہ کہنے کو ؛ شمع خاموش رات بھر نہ ہوئی

ازل سے ہو گیا ابتر مرا مجموعہ خاطر  
مجھے تقدیر نے اچھا دیا زلف پریشاں سے  
خدا کے واسطے جھٹکانہ دے ' اے دلہن ' اس کو  
ہزاروں حسرتیں لپٹی ہوئی تھیں تیرے دامن سے

ملفوظ ہے یہ گردش لہاں و نہار کو : فرقت کی رات وصل کے دن سے بڑی رہے  
"قصر" نہ جائے دل سے ہجوم غم حسدیں  
یہ فوج عمر بھر مجھے گھبرے کھڑی رہے  
آلے والے میں وہ خبر کے لیے ؛ بیتکونی آج بختہ نہ کرے

وہ موحّد ہوں کہ دن رات دعا کرتا ہوں :  
کوئی دل میں نہ رہے میرے ' توہی تو ہو جائے

تمہاری زلف پہ سر ادا جا کے وار آئے :  
چڑھا تھا سر پہ یہ سودا ' اسے اتار آئے

لائے گی انہیں کھیلچ کے اک دن کشش دل  
کب تک مرے ملے سے وہ انکار کریں گے

اے صائم بلندے ہوئے تیرے ' خدا کو بھولے  
ملہ دکھانے کی کوئی حشر میں صورت نہ رہی  
پا ہم زنجیر ہوئے ہم ' وہ ہوئے بردہ نشیں  
اُن سے اب کوئی ملاقات کی صورت نہ رہی

یہ جو سن پایا ہے : ملتے ہیں وہ کچھ حال فراق ؛  
اب یہ پہلو سے دل پر اضطراب آنے کو ہے

زائد کو پڑتے دیکھ کے رندوں نے یہ کہا :  
کہیے ' مے طہور کی خواہش وہ کیا ہوئی ؟

عدم کے نہ مسدود رستے رہے ' زمیں کے تلے شہر بستے رہے  
رقیبوں سے وہ روز شلستے رہے مگر عمر بھر ہم ترستے رہے

یہ دعا ہے مری: جب نزع کا حکم آئے ،  
نام ہو لب پہ ترا ، دل میں تری یاد رہے

جانب ملک عدم بولے ہیں چلنے کے لیے :  
آئے ہیں جامہ ہستی کے بدلنے کے لیے  
اُن کے کوچے سے جو جانا ہے جنازہ میرا ،  
حکم دیتے نہیں کاندھا بھی بدلنے کے لیے  
نزع میں حسرت دیدار کا یہ مجمع ہے :  
روح گہرائی ہے آنکھوں سے نکلنے کے لیے

ملتے موسیٰ تو میں کہتا (یہ سوال اچھا ہے) :  
طور اچھا ہے کہ وہ برق جمال اچھا ہے ؟  
دیکھ لے ہی کے مسکھتا ہو تم ' اے جان جہاں :  
دم ہے آنکھوں میں مرا ' کہتے ہو حال اچھا ہے  
میں بھی راضی برضا ہوں ، نہ کروں گا شکوے  
آپ جو خوش ہیں اسی میں ' تو ملال اچھا ہے  
کر رہا ہے روں باغ جہاں کے اوصاف  
یہ بھی چلتا ہوا زاہد کا خیال اچھا ہے  
مرض عشق مرا کام کھے جانا ہے :  
وہ ' بہر حال ' یہی کہتے ہیں حال اچھا ہے

غول حوروں کے شب معراج ' اترتے ہوئے :  
خلد سے نکلے ' مبارک بادیاں گاتے ہوئے  
اے نسیم گلشن طہبہ تصدق میں ترے  
جانیں گے ہم باغ جنت میں ہوا کھاتے ہوئے  
تیرے بلندے کب رکیں گے خلد کو جاتے ہوئے ؟  
خط فلامی کا ، چلے جانیں گے دکھلاتے ہوئے  
تیرے گھر میں مجھ کو لے جانا تھا ' کہیے لے گئے :  
خضر بھی کیا خوب بھگتے راہ بتلاتے ہوئے ؟  
تجہ پہ کیا دھونی دھاؤں ' اے مدیلے گی زمیں ؟  
فرق آئے گا ادب میں پانو پھیلاتے ہوئے

طہیہ کی سمت لے کے چل، اے جوششِ جلدوں،  
الجبہا دے واں منجھہ کسی صغیرا کے خار سے

دے کے سر، لے در قاتل کی زمیں تھوڑی سی  
 ہمت اے دل، تجھ لازم ہے یہیں تھوڑی سی  
 در جانان پہ جو سجودہ نہیں کرنے پاتے،  
 خاک مل لیتے ہیں بالائے جہوں تھوڑی سی

اُن کا ملسلا بھی مٹی مل کے بلا ہوتا ہے :  
 برق گرتی ہے جو یہ ابر گھرا ہوتا ہے  
 اوج اقبال پہ جب بخت ہما ہوتا ہے  
 تجھ پہ، اے بادشاہِ حسن، فدا ہوتا ہے  
 کیا کہوں، حال شب ہجر میں کیا ہوتا ہے؟  
 اے پتو، لب پہ مرے نام خدا ہوتا ہے  
 آدمی قبر میں کس طرح نہ غافل سوئے؟  
 کیا کرے؟ منزل ہستی کا تھکا ہوتا ہے  
 زندگی میں تو عبادت کو نہ آئے مٹری؛  
 آ کے اب قبر پہ روتے ہو، تو کیا ہوتا ہے؟  
 ایک سا درد محبت کا ہے گھٹلا بڑھنا :  
 کم بھوں ہوتا ہے، تو کمبخت سوا ہوتا ہے  
 سر مرا وقف دم توغِ قضا ہوتا ہے؛  
 آج یہ سجودہ شکرانہ ادا ہوتا ہے

خاک ہوں گے، خاک سے ریگ رواں ہو جائیں گے  
 اس طرح مٹو تلاش رفتگاں ہو جائیں گے  
 میں نظر کے سامنے کونہیں کے جلوے یہاں؛  
 وہ کہاں میری نگاہوں سے نہاں ہو جائیں گے؟  
 چار ہی دن کے لیے آؤ تین مہجور میں  
 ورنہ ارکانِ عناصر رائماں ہو جائیں گے

اُڑا لائی ہے تو خوشبو کسی کے باسی ہاروں کی ؛  
 یہ سہرا آج ' اے بان بہاری ' تیرے ہی سر ہے  
 مرادل دل میں اُس بت کے ہے اُس کدل مرے دل میں :  
 کبھی پتھر مہوں شیشہ ہے ؛ کبھی شیشہ میں پتھر ہے  
 بدن میں جان آجانی ہے دندان قدح کش کے ؛  
 ترا دیدار ' اے ساقی ' شرابِ روح پرور ہے

وصال یار کے لے لو مزے ' سیدھا مقدر ہے ؛  
 حیا بھی آج فرط شوق مہوں جامے سے باہر ہے  
 خدا جانے وہ بت ملتا ہے وہاں بھی یا نہیں ملتا ؛  
 چلا تو مہوں حرم سے دہر کو ' آگے مقدر ہے  
 دلِ اہل صفا ہرگز مکر ہو نہیں سکتا ؛  
 ہر ایک کو ایک سا دیکھ : یہ آنیلے کا جوہر ہے

سونے دیا نہ وعدہ فردا نے قبر میں :  
 خوابِ عدم سے چونک پڑے ' اُٹھ کھڑے ہوئے  
 ہر دم ہے اپنی ' ملزاں مقصود پر نظر ؛  
 پہلچے عرب میں ملک سے ' جب اُٹھ کھڑے ہوئے  
 مرقد سے سوے حشر طالب جس گھڑی ہوئی  
 دامن کو اپنے جہاز کے ہم اُٹھ کھڑے ہوئے  
 ایک دن تو پائمال کر ' اے آفتابِ حسن '   
 سائے کی طرح مہوں ترے در پر پڑے ہوئے  
 اے آہ ' جلد شور قیامت دکھا دیجیے '   
 مدت گذر گئی ہے لحد میں پڑے ہوئے

دھ گئی واں بھی کیلیمت خیالِ چشمِ ساقی مہوں ؛  
 سر کوثر بھی لطفِ جامِ صہبیا ہم اُٹھائیں گے  
 چھپا رکھیں گے عشقِ مصطفیٰ رخسارِ کوہِ مہوں ؛  
 قیامت تک نہ اِس کعبے کا پردا ہم اُٹھائیں گے

نہیں معلوم ہوتی پردہٴ غفلت میں انسان کو  
قصا روزِ ازل سے زندگی کے سانہ آئی ہے

زمین پہ لوت رہا میں، خماز کم کیا ہے؟ بہت ہے، نشہٴ مے کا آثار کم کیا ہے؟  
بتو، نہ روگ دو آنکھوں کو اشکباری کا، یہ ایک عارضہٴ انتظار کم کیا ہے؟

ہے سیدہ بختی قسمت کا اگر طول یہی،  
بڑھتے بڑھتے ترے گیسو کے برابر ہو گی  
سلتے ہیں، آتے ہیں ملنے وہ گئے، اے "قیصر"  
لے مبارک ہو تجھے، عہدِ ترے گھر ہو گی

قائل، روش نہ سیکھ قیامت کی چال کی، مٹی خراب ہو گی دل پائمال کی  
میرا فدا ہام پہ اک ماہ کے گیا: صورت زوال میں نظر آئی کمال کی  
یوں مہکدے میں آج مجھے تارہٴ کام کر: دے ساقیا، شراب کوئی پار سال کی  
طول شبِ فراق کی کچھ انتہا نہیں کیونکر امجد ہو مجھے روزِ وصال کی

تم اپنا آج سرِ شام کھول دو جوڑا، درازی شبِ فرقت کی انتہا ہو جائے  
وفا کی شرط قیامت کے روز ہی یہ کرو، تمہارے وعدہٴ فردا کی انتہا ہو جائے  
بتوں کے وعدہٴ فردا کا اعتبار نہیں، خدا نکو راستہ کل پھر مزاج کیا ہو جائے؟

دیکھو ہلالِ ابروے جانان، پیو شراب، اے بادۂ خوارو، عہد کا روزہ حرام ہے

ہوا ہے خلق، جہاں میں، ہر اک فلما کے لئے،  
بقا فلما کے لئے ہے، فلما بقا کے لئے

میں ابتداءے محبت میں ہجر کے صدمے،  
کچھ انتہا بھی ہے، ظالم، تری جفا کے لئے؟

میں کس امید پہ فرقت میں زندگی کا توں؟  
کہ کوئی وقت میں نہیں قصا کے لئے

جو آئے ہو میرے گھر میں، تو کچھ ہنسو بولو،  
نہ بت بے ہوئے بھٹکے رہو خدا کے لئے

نہ پایا دیر و حرم میں بھی آپ کو تنہا،  
کہیں جگہ نہ ملی عرضِ مدھا کے لئے

سو رہے ہیں وہ اندھیری گور میں ' شمعِ مدفنِ روتی ہے جن کے لیے

کوئی بدبختو دے ' حیراں ہے کوئی ' سہجے میں ہے کوئی  
وہ جب سے جلوہ گر ہوں ' انجمنِ کچھ اور کہتی ہے  
رہی باقی نہ پروانوں کو اب امدادِ دلسوزی ؛  
جلی ہے جب سے شمعِ انجمن ' کچھ اور کہتی ہے

یہاں ' واقف ' نہ کر دنیا میں رہ کر حالِ عقبی کا ؛  
یہاں کا اور عالم ہے ' وہاں کا اور عالم ہے

صدائے خلدۂ کل سے تری فرقت میں روتا ہوں ' گلستانِ جہاں نظروں میں مہری بزمِ ماتم ہے

حرم میں یوں رہو تم گھر بنا کے ؛ بتو ' کہا کارخانے میں خدا کے ؟  
قہامت تک نہ مانوں گا میں ' اے جاں ' نہ وعدے کیجئے روزِ جزا کے  
زلفوں کے ہلانے میں بسر کرتا ہے کوئی ؛ سرِ پیمت کے کتنی ہے شبِ تار کسی کی

ناز کہتا ہے کہ چلے حشر برپا کیجئے ' ہے قہامت آپ کی رفتار کس دن کے لیے ؟

دیکھتے ہو مجھے ؟ دیدار کی حسرت کیا ہے ؟  
آج گھونگھٹ جو اُٹھا دو تو قباحات کیا ہے ؟

اے ستمگر ' نہ سہی دور کی آفت نہ سہی '  
تھرا قہامت تو ہے موجد ' قہامت نہ سہی  
رنج کے ' درد کے ' دردی کے ' اُٹھائے صدمے  
کون سی ہم نے مصیبت میں مصیبت نہ سہی ؟  
اے جلوں ' چاک گر یہاں سے فرض ہے تجھ کو ؛  
ہاتھ چلتے رہیں گے ' پازو میں طاقت نہ سہی

ملہ پر نقابِ قال کے آتے ہیں مہرے پاس  
دیتے ہیں مجھ کو شربتِ دیدار چہان کے

اپنی ناکامی سے برباد رہے دنیا میں ،  
 خاک بھی ہو کے نہ ہم آپ کے در تک پہنچے  
 آپ دانے کی کشش ہو گئی دشمن آخر  
 پھنس کے ہم دام میں صہاک کے گھر تک پہنچے  
 شکر صد شکر نمازوں میں کئی راہ حرم  
 بیٹھتے اُٹھتے ہم اللہ کے گھر تک پہنچے

عدم کا راستہ کیونکر گئے گا ؟ گمہ کا بوجھ ہے ، مغزل کڑی ہے  
 صورت سبزہ ہم دھ پامال ، باغ عالم میں سر اُٹھا نہ سکے  
 خانہ دل میں آگ فروخت کی وہ لگا تو سکے ، بچھا نہ سکے  
 دکھائے پائے نہ سر ترے در پر ؛ اپنی تقدیر آزما نہ سکے

ناتوانوں کی ترے خاک نہ ہوئی برباد  
 چشم بد دور ہیں نہچے ترے دامن کٹنے ؟

کعبے میں تھونڈتا ہے کوئی ، کوئی دیر میں :  
 اُس بت کی جستجو میں خدائی خراب ہے  
 تا حشر خفتگان مدم چونکتے نہیں  
 سچ ہے یہی کہ موت ، قیامت کا خواب ہے  
 روز جزا کا در ہے ، نہ خوف حساب ہے ؛  
 بد مست تھرے دور میں ہر شہخ و شاب ہے

ہوں دفن ترے در پے ، تمنا تو یہی ہے ؛ آگے مری تقدیر ، اراداً تو یہی ہے  
 اٹھارے مرے خط کو پڑھیں ، والے مقدر ، کھا کیجیے ، تقدیر کا لکھا تو یہی ہے

سلسل سے کام ہے ، نہ غرض درک سر سے ہے ؛  
 اے بت ، جہیوں کو لاگ ترے سنگ در سے ہے  
 اے خضر کس طہریقی سے دستہ حرم کا لوں ؟  
 کعبے کی راہ بھی تو اُسی بت کے گھر سے ہے

مرے گلہ تری رحمت سے بڑھ نہیں سکتے  
 مرے کریم ، یہ پھر کڑوں حساب ہوتا ہے ؟



## قصیدہ

جشن جبلی مالکہ وٹوریا

جو بہت خواب میں جاگا تو آگیا یہ خیال  
 کہ لکھ قصیدہ وہ جس کا جہاں میں ہو نہ مثال  
 ہو مدح ایسے شہنشاہ ہفت کشور کی  
 ہے رشک مہر مہیں جس کا کوکب اقبال  
 ملا یہ مژدہ مجھے جب کہ خضر قسمت سے  
 تو میں نے اُس سے بصد آرزو کیا یہ سوال  
 پتا پتا مجھے مدوح کا نشان پتا  
 کہ تا میں گوہر مقصود سے ہوں مالا مال  
 کہا یہ اُس نے شہنشاہ ملک و قیصر مدد  
 بڑھی ہے نذر تاباں سے جس کی شان جلال  
 اُسی شہنشاہ عالی کا جشن جبلی ہے  
 کہ جس کو تخت حکومت پہ ساتھ ہوں سال  
 جوہیں یہ خورش خیزی تابگوہی دل پہلچتی  
 ہوئی زبان کو اس کام کی ' دھن میں متجال  
 ہوئے مدد کے لئے فکر و ذہن بھی موجود  
 فلک سے آ کے مضامین ہوئے شریک حال  
 جو مجھ کو فضل خدا سے یہ مل گئے سامان  
 آرا ہمارے طبعیت بھی کھول کر پر و بال  
 گذر گیا وہ بلندی سے چرخ چارم کی  
 زرا ترقی کو دیکھوں تو اس کی اہل کمال  
 لکھے وہ مطالع روشن کہ جس کے پرتو سے  
 بنا ہے مہر جہاں تاباں نور کی تمثال  
 وہ سعد ہے نرا سایہ شہ ستودہ خصال  
 پڑے گدا پدے تو پائے گدا کا وہ اقبال  
 ہوئی ہے مکتو دلوں سے ستاروت خانم  
 ہے چوہ فیض سے ہر ایک شخص مالا مال

پڑے اگھر نظر کھمیا اگھر تھری  
 مثال کوہ طلا دم میں ہوں جہاں کے جہاں  
 مدن کرے تری جواہر اگھر سر میداں  
 شکار شہر کا کرنے لگے جھپٹ کے فـزال  
 چلائے خرمین جان عدو کو اک دم میں  
 جو برق تیغ شرر دم گرے بوقت جدال  
 فلک بھی خم پے تسلیم ہے ازل سے یہ وہیں  
 جھکا رہا ہے سر بندگی ادب سے ہلال  
 جو دیکھ لے رہ پرنور کی وہ جلوہ گری  
 فلک کو جادے پہ ہو جائے کہکشاں کا خہال  
 ملے جو اوج تری درگہ معلیٰ سے  
 ابھی ہوا پہ آریں طائران بے پر و بال  
 گھسی ہے جب در پرنور پر چہیں اُس نے  
 ملا ہے مہر کو تب اس طرح کا اوج کمال

#### قطعہ

زہ اجلاں کیا رفعت ہے نقش پایے احمد کی  
 کہ جس کے سلگ کو اسود کا ہم ہم سلگ پاتے ہیں  
 شب معراج پہنچے پانویہ عرش معلیٰ پر  
 یہی قرآن میں قوسین کے معلیٰ پتاتے ہیں  
 برا رتہ ہے اُس کا جس کے گہرمیں جلوہ فرما ہوں  
 سروں کے بل زیارت کو ملک اس گہرمیں آتے ہیں  
 جگہ دیتے ہیں اپنے خانہ دل میں انہیں "قبصر"  
 خلیل اللہ سے کہندو کہ ہم کعبہ بلاتے ہیں

#### مختوم

غزل "آتش"

رنگت دکھائی گلشن چلت مقام کی  
 شہرت مصوروں میں ہوئی اُس کے کام کی

اے چشم دیکھ ہے یہ روش انتظام کی  
 تصویر کھینچی اُس کے رخ سرخ فام کی  
 اک صفحے میں قلم نے گلستاں تمام کی  
 پہنچے خموشی لبِ نادان سے کیا گزند  
 کرتے ہیں واہ واہ وہی ' میں جو حق پسند  
 رہتا ہوں مدحِ ملکوتی سے بہرہ مند  
 گھر سے خدا کے ملتے ہیں مضمون مجھے بلند  
 فکر رسا کلمہ ہے کعبے کے بام کی  
 اِس تھوڑی سی بساط پہ کہوں کر نہ آئے رشک  
 خلعت یہ ہاتھ آیا ہے اِس کو برائے رشک  
 کہوں دامنِ کفن پہ نہ ہوں داغِ پایے رشک  
 باغِ جہاں میں گل کی قدامت ہے جائے رشک  
 عمر دو روزہ ایک تھا میں تمام کی

منجھس

غزل "اعظم"

آہ سوزاں بھی عجب طرفہ بلا ہوتی ہے  
 رعد چلاتا ہے جس وقت بیٹا ہوتی ہے  
 واں پہنچتی ہے تو بجلی بھی ہوا ہوتی ہے  
 خوب آہ دل بیتاب رسا ہوتی ہے  
 میں زمیں پر ہوں تو گردوں پہ صدا ہوتی ہے  
 دوں دل کا مرے اب قوسِ قزح سے ہے عبور  
 اے مہ برجِ شرف دے بت غارتگرِ حور  
 دولتِ عشق تو ہے کو میں نہ ہوں ڈی مقتدر  
 جانہو مانگ کے سوئے میں نہ مجھ کو مجبور  
 کھکشاں تک تو مری آہ رسا ہوتی ہے

طرفہ اندازِ جفا ہے عرضِ لطف و کرم      بڑھ گئے اُن کے کہیں حد سے سوا جور و ستم  
 اور تو اور پھوک جانا ہے اِس بات پر دم      سرِ فدا کرنے کی جانہاں سے لیتے ہیں قسم  
 ہاتھ رکھواتے ہیں شمشیرِ ادا کے اوپر

مفت نقش کف پا مجھ کو بدایا تم نے      خاک میں خاک نشہدوں کو ملایا تم نے  
 رحم کیا ہاتھ بھی مطلق نہ لگایا تم نے      گر پڑا مہوں تو زمیں سے نہ اٹھایا تم نے  
 آسمان توڑ پڑا مہر وفا کے اڑھر

مستحسن

غزل نواب عبدالعزیز خاں

برق اندازیاں کرتی ہے سیاہ شب ہجر  
 دیکھو گرم ہے کس درجہ نگاہ شب ہجر  
 آتش افروز ہوئی شام سیاہ شب ہجر  
 چرخ پر آگ لگانے لگی آہ شب ہجر  
 صورت مہر ہوا سوختہ ماہ شب ہجر  
 نام کو بھی نظر آیا نہ کہیں نور ظہور  
 نہ گھٹی طول مہوں، رنگت میں بھی آیا نہ فتور  
 سب یہ حالات گذرتے رہے آنکھوں کے حضور  
 نہ درازی میں کسی کی نہ سیاہی میں قصور  
 مہوں مرے دیدۂ بیدار گواہ شب ہجر  
 مجھ کو ہی تاک لہا ہے مرا دم بھرتی ہے  
 پانو کے بدلے رہ شوق میں سر دھرتی ہے  
 میرے ہی خانۂ تاریک یہ یہ مرتی ہے  
 شام کے ہوتے ہی ہر روز کرم کرتی ہے  
 گھر مرا ہی ہے مگر زہر نگاہ شب ہجر

## آسی

مہدالعلوم "آسی" سکندرپور ضلع بلوچا کے رہنے والے ' ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے طبیعت شعر و سخن کی طرف مائل تھی۔ اعظم علی "اعظم" سے تلمذ تھا۔ پچاسی برس کی عمر پاکر ۱۳۳۵ھ میں وفات پائی۔ یہ اپنے وقت کے ہاکمال بزرگ، چید عالم اور حائق طویب تھے۔ ایک مختصر دیوان "عین المعارف" ان کی وفات کے بعد آسی سال مطبع سلطمانی بنارس سے شائع ہوا ہے [۱]۔

کلام میں "ناسخ" اور "رشک" کا تتبع کیا ہے۔ شوخی، بلبلد پروازی، بوساختگی، مناسب و موزوں الفاظ کی تلاش پائی جاتی ہے [۲]۔ تغزل میں چابجا تصوف کا فلسفہ نظر آتا ہے۔ الفاظ کا اہتمام خوب کرتے ہیں۔ نعمت اور مدح میں ایسے اوصاف بہان کئے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

### غزلیات

✓ تاب دیدار جو لائے مجھے وہ دل دینا  
ملہ تہامت میں دکھا سکے کے قابل دینا  
رشک خورشید جہاں تاب دیا دل مجھ کو  
کوئی دلبر بھی اسی دل کے مقابل دینا  
درد کا کوئی محل ہی نہیں جب دل کے سوا  
مجھ کو ہر عضو کے بدلے ہمہ تن دل دینا

[۱]—دیباچہ "عین المعارف" (دیوان آسی) - [۲]—خدمتازہ جارید ج ۱، ص ۶۳، ۶۵۔

اُسی کے جلوے تھے لیکن وصال یار نہ تھا  
 میں اُس کے واسطے کس وقت بوقتار نہ تھا  
 خرام جلوہ کے نقش قدم تھے لالہ و گل  
 کچھ اور اُس کے سوا موسم بہار نہ تھا  
 ولورِ بھٹکودی بزم سے نہ پوچھو 'رات  
 کوئی بجز نگہ یار ہوشیار نہ تھا  
 لحد کو کھول کے دیکھو تو اب کفن بھی نہیں  
 کوئی لباس نہ تھا جو کہ مستعار نہ تھا

نقش پا کو کوئی اُٹھا نہ سکا دیکھنا زور نازوانی کا  
 فہر کا اب گذر نہیں دل تک عشق مہدہ ہے پاسبانی کا  
 نہ نہک عشق کا نہ زخمی دل کچھ نہ پایا مزا جوانی کا

ہمدرد کی مصیبت دیتی ہے کیا اذیت  
 بلبل نے نالے کھینچے میں زار زار رویا

مقدر میں ہوں سب کچھ مگر تدبیر لازم ہے  
 کہ ایک قطرہ نہیں ملتا ہے بے تدبیر پانی کا

رتبہ پایا ہے مصیبت میں تو اب دل کو سدبہال  
 گر پڑے گا صفت برق جو بہتاب ہوا  
 جس نے دیکھا تجھے کہا خاک لگے آنکھ اُس کی  
 دیدہ رخنہ دیوار بھی بے خواب ہوا  
 شعر وہ نور سے لبریز پڑھے "اُسی" نے  
 حلقہ اہل سخن ہالہ بہتاب ہوا

پیش ناصح اور اندی بوقتاری کہا کہوں  
 سامنے وہ آگیا وقت شکیبانی نہ تھا  
 حد حیرت دیکھتا تھا اپنی آرائش کے ساتھ  
 اُنہلہ خالے میں وہ محو خود آرائی نہ تھا

بسانِ آسیا پائے توکل کو نہ لغزش دے  
کہ ملکہ میں آ رہے گا خود بخود تقدیر کا دانا

حالتِ دل خاک میں کہتا کہ تا ہلکا مرگ  
آپ کا شکر جفا یا شکوہ تقدیر تھا  
عشق کیا کیا نسبتیں کرتا ہے پیدا حسن سے  
زلف اگر شیرنگ تھی نالہ مرا شب گھر تھا  
وہ مصور تھا کوئی، یا آپ کا حسن شباب ؟  
جس نے صورت دیکھ لی ایک پیکر تصویر تھا

سجدہ دو جو تمہارا نہ ہوسر ہوتا وہی ہم ہوتے وہی سر وہی پتھر ہوتا  
تم لہت جاتے کہیں آکے مرے پہلو سے نالہ شرمندہ نہ سہلے سے نکل کر ہوتا  
مرگیا ”آسی“ دلگھر بھی انا للہ  
مرضِ عشق سے کوئی بھی تو جانبر ہوتا

ہم تو کرتے تھے کدھر حکم قضا نے بھینچا  
ہارے، اے بت، ترے کوچے میں خدا نے بھینچا  
موقعِ کسبِ کمالات وہاں کس کو ملا  
وہی اچھے جلموں دنیا میں خدا نے بھینچا  
”آسی“ نامہ سہمہ لائقِ دروخ بھی نہ تھا  
خدا میں الفت شاہ شہدا نے بھینچا

سلوک راہِ وفا میں فنا کے طور میں اورد  
جو آپ مار کے نیشہ مرا تو جھک مارا  
نہ پوچھو حالتِ دل اُس فریقِ حسرت کی  
دکھائی دے جسے ایک ایک قطرے میں دھارا  
فراقِ یار کی طمانت نہیں، وصالِ مصلح  
کہ اُس کے ہوتے ہوئے ہم ہوں یہ کہاں یارا  
اگر بیانِ حقیقت نہ ہو معجز کے ساتھ  
تو شعر لغو ہے، ”آسی“ کلام نا کارا

چہری بھی تیز ظالم نے نہ کر لی بڑا بے رحم ہے قاتل ہمارا  
نہ آنا ہم تمہارا دیکھ لیں گے جو نکلا جذب دل کامل ہمارا  
محبوب جلوہ بھرنگ ہے دل کہیں پیدا نہیں ساحل ہمارا

ذوقِ فم و اندوہ مصیبت کے میں صدقے  
جو داغ دیا تم نے وہ جانانہ دل تھا

ذلت اُتر دلیلِ کمالِ عشق ہے "آسی" سے بڑھ کے کون ذلیل و زبوں ہوا

نالہ کس جس کے لیے ہر باغ ہر گلشن میں تھا  
خوب جو دیکھا وہی گل میرے پوراہن میں تھا  
اس تمنا میں کہ شاید اُن کے دل تک راہ ہو  
اس عداوت پر بھی میں بدرسوں دل دشمن میں تھا

بڑھ کے شہِ رگ سے گئے ملنے کو وہ آمادہ تھا  
ہاے اے وہم غلط اب تک میں دور افتادہ تھا

غش میں اس طرح گریں حضرت موسیٰ سے نبی  
جلوہ طور ضرور آپ کی تصویر میں تھا  
اے لحد ' ہاے وہ بھرتابی شہائے فراق  
آج آرام سے سونا مری تقدیر میں تھا

اتنا تو جانتے ہیں کہ عاشقِ فلدا ہوا اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جالے کیا ہوا  
اُس کا پتا کسی سے نہ پوچھو ' بڑھے چلو فتنہ کسی گلی میں تو ہوگا اُٹھا ہوا  
گلروپیوں کے خیال نے گلشنِ بدلا دیا سیلہ کبھی مدینہ ' کبھی کربلا ہوا

پلائی ہے ساقی نے کیسی شراب کہ جو رند تھا پارسا ہو گیا

نہ گھرے اُس نگاہ سے کوئی اور افتاد کیا مصیبت کیا  
نقد ہستی نثارِ پیار کرے یہ نہیں ہے تو پھر مصیبت کیا  
جاتے ہو جاؤ ہم بھی رخصت ہوں ہجر میں زندگی کی مدت کیا  
"آسی" مصیبت کا کلام سلو  
وعظ کیا ' پند کیا ' نصیحت کیا



سوے جلنت مجھے اِس کوچے سے کہوں لے جائے  
جان دی آپ پر 'اے جان' گنہگار ہوا  
ہمت اُس کی ہے 'دل اُس کا ہے' جگر اُس کا ہے  
جان کو بیچ کے تیرا جو خریدار ہوا

کچھ خبر کوچۂ جانناں کی بھی ہے 'اے واعظ'  
عشق بازوں کی ہے جلنت نری جلنت کے سوا

سخت دشوار تھی معشوق سے عاشق کی شناخت  
وصل کی رات نہ تھی 'تھی' وہ طلمسات کی رات  
کچھ ہمیں سمجھیں گے 'یا روز قیامت' والے  
جس طرح کتنی ہے اُمید ملاقات کی رات  
اب تو پھولے نہ سمائیں گے کفن میں "اُسی"  
ہے شب گور بھی اُس گل کی ملاقات کی رات

کوئی دشمن ہو "اُسی" یا مرا دوست      میں سب کا دوست کہنا دشمن ہو کیا دوست  
فریب عالم صورت سے بچتا      نہیں کوئی کسی کا جز خدا دوست

وہاں پہنچ کے یہ کہنا 'صبا سلام کے بعد' ۳۰  
کہ تیرے نام کی رت ہے خدا کے نام کے بعد  
وہاں بھی وعدۂ دیدار اِس طرح تالا ۳۱  
کہ خاص لوگ طلب ہوں گے بار عام کے بعد  
طلب تمام ہو 'مطالب کی اگر حد ہو' ۳۲  
لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد  
پہام پر کو روانہ کیا تو رشک آیا  
نہ ہم کلام ہو اُس سے مرے کلام کے بعد

نہ چہانی مشیت خاک اپنی کسی لے      ہے دل رسی میں رہ کوئے مستعد

میں دل سے اُس شیخ کا ہوں قائل کہ میرے میں پوچھے تہجد  
اگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے محو دور شراب ہو کر

فراق میں اس قدر کہ تیرے ' ایہی قدموں کچھ خبر نہیں ہے  
 پڑھے کی کچھ اور بے قراری وصال میں کامیاب ہو کر  
 نگاہوں پرچھی نہیں ہیں اُن کی ' کہ فمڑا اُن کا نہیں ہے خلیج؟  
 کریں گے اقرار خون " اسی " کبھی تو وہ لاجواب ہو کر

نہ میرے دل ' نہ جگر پر ' نہ دیدہ تر پر  
 کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر پر  
 گناہ گار ہوں میں ' واعظو ' تمہیں کیا فکر؟  
 مرا معاملہ چھوڑو شمع معشور پر

مرا سفید تلام میں بھر عشق کے ہے  
 مڑا تو جب ہے خدا آئے ناخدا ہو کر

حسن کی کم نہ ہوئی گرمی بازار ہلوز  
 نقد جہاں تک لیے پھرتے ہیں خریدار ہلوز

ایک عالم ہے کہ مقتل میں ہے قاتل کی طرف  
 دھار خلیج کی فقط عاشق بھدل کی طرف  
 ترک دنیا تو ہے دنیا طلبی سے آساں  
 چھوڑ کر سہل ' محبت جاتے ہیں مشکل کی طرف

لب بلب ہے آج تجھ سے تیرے مستانے کی خاک  
 خوب پہچان ' اے بت مے نوش ' پیمائے کی خاک  
 - تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے ' او باد صبا '  
 یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

لڑواؤ گے کبھی نہ کبھی ملد لب سے  
 اُس کے سوا تو قابلِ اُلفت کوئی نہیں  
 گالوں میں رنگ گل ہے تو بالوں میں بونے گل  
 بلبل نے کر دیا مجھے مشتاق روے گل  
 سو گند بے دلوں کی تجھ ' اے خداے دل '  
 تم اور دل میں ' اب تو کہوں گا پکار کر  
 دل کی نہ ابتدا ہے نہ ہے انتہاے دل  
 پورا کرو پھر کہے مدھائے دل  
 دھتے ہو دل میں ' واقف اسرار دل ہو تم

اللہ دے نور سجدۂ شوق ! مے رو تم ہو تو مے جیہیں ہم

ادب آموز نکلا عجز راہ آشنائی میں  
 حجاب آسا مہن آنکھوں سے چلا پے دست و پائی مہن  
 ہرا کیوں مانوں ہم جو بھیس چاہو شوق سے بدلو  
 ہمدانی ہی نمائش ہے تمہاری خود نمائی میں  
 دل درویش کی گردن ہے دور جام جمشیدی  
 مذاق سلطنت پایا ترے در کی گدائی میں

رات اتنا کہ کے پہر عاشق ترا غصہ کو گھا  
 جب وہی آتے نہیں میں آپ مہن آنا ہوں کہوں

جھوٹ کہوں کہتا ہے اے قاصد کہ وہ آتے نہیں  
 وہ اثر آتے نہیں ہم آپ مہن آتے ہیں کہوں  
 یا تو اہل دل سے تھا ہر دم سوال درد دل  
 اب ہجوم درد ہے دل میں تو گھبراتے ہیں کہوں  
 جاے حیرت ہے طلسم انکاد حسن و عشق  
 اٹیلہ جب دیکھتے ہیں ہم تجھے پاتے ہیں کہوں

ہلڑوں بگولا وہ خاک ہوں میں ، بہوں لہو بن کے ہوں وہ پانی ؛  
 جلاؤں قسمت وہ آگ ہوں میں ، آزاؤں خاک اپنی وہ ہوا ہوں

عرش ہے دل مہن نہ مستجد ہے نہ کعبا دل میں  
 سب سہی یار مگر گھر ہے تمہارا دل میں  
 اے خیال رخ گلرنگ چلا آ دل میں  
 پھول بھردے صفت شیشہ صہبا دل میں  
 نہ توپ اس قدر اے عاشق مضطر ، نہ توپ  
 دھیان اُس کا نہ کہیں ہو تپ و بالا دل میں  
 کار امروز بغردا مہذار ، اے "آسی"  
 آج ہی چاہیے اندیشہ فردا دل میں

جو دیا تولے وہ سب چھوٹن لیا عاشق سے  
شکر اس کا جو نہیں ہے تو شکایت بھی نہیں

ہے اُس میں اور ہم میں آفتاب و شمع کا عالم  
وہ جب تک آئے آئے آپ دنیا سے گذرتے ہیں

نتیجہ زندگی کا عشق بازی کے سوا کیا ہے  
حقیقت میں وہی جیتے ہیں بس 'تجہ پرجو مرتے ہیں  
نہ وہ بہتابی دل ہے ' نہ وہ بے خوابی فرقت  
لحد میں چھوٹن سے عاشق پڑے آرام کرتے ہیں

دل بہ مدعا پایا ' جو دولت ہو تو ایسی ہو  
خدا سے پھر نہ کچھ مانگا ' قناعت ہو تو ایسی ہو  
فرشتے سر چھکائیں تھرے سجداے کو تواضع سے  
سن او مٹی کے پتلے آدمیت ہو ' تو ایسی ہو  
جہاں ملنے کی تہ پھرے مجھ سے ' میں بھی اے صدم گم ہوں  
سوا تھرے نہ ہو کوئی ' وہ خلوت ہو تو ایسی ہو

تمہیں کثرت سے نفرت ' اور معکو ذوق وحدت ہو  
کچھ اس سے اور بڑھ جاؤ تو وحدت ہو نہ کثرت ہو  
نہ ستاری کو شرم آئے نہ غفاری کو غیرت ہو  
قیامت میں ترا بلدہ ترے آئے فضیحت ہو  
مجھے ہر طرح کی خود بینیوں سے کر دے بیگانہ  
جو آئینہ بھی میں دیکھوں نمایاں تیری صورت ہو

تم نہیں کوئی ' تو سب میں نظر آتے کیوں ہو؟  
سب تمہیں تم ہو تو پھر مٹے کو چھپاتے کیوں ہو  
جب نہیں غور کو دیدار دکھانا ملاحظہ  
صفت پردہ در ہم کو اُٹھاتے کیوں ہو

صاف دیکھا ہے کہ غلطیوں نے لہو تھوکا ہے موسم گل میں آہی کوئی دلگیر نہ ہو  
جس کو دیکھا ہے اُسے چھاتی سے لکائے دیکھا ہے دل جسے کہتی ہے خلقت تری تصویر نہ ہو

تکڑے ہو کر جو مایہ کوہکن و معجزوں کو  
 کہیں مہدی ہی رہا پھوٹی ہوئی تقدیر نہ ہو  
 کار سازا 'یہی' 'آسی' کی دعا ہے تجھ سے :  
 کام مہرا کوئی مہلت کش تدبیر نہ ہو

کہاں دل اور کہاں اُس کے حسن کا جلوہ  
 کہا ہے عشق نے کوزے میں بلند دریا کو  
 ہوا کے رخ تو زرا آئے ہیٹھ جا 'او تیس'  
 نسیم صبح نے چھوڑا ہے زلف لہلی کو  
 کسی نہ چوش جانوں میں 'نہ پانوں میں طاقت  
 کوئی نہیں جو اُٹھا لائے گھر میں صحترا کو  
 ہماری حسن پرستی محفل طعن نہیں  
 کہ چشم تیس سے دیکھا ہے روے لہلی کو

کوئی تو پی کے نکلے گا آئے گی کچھ تو ہو ملہ سے  
 در پور مغاں پر مے پرستو 'چل کے یستر ہو  
 تمہاری ہی بدولت ہے یہ ساری رندی و مستی  
 وہ دن بھی ہو کہ تم ہو ہم ہیں دور جام کوثر ہو  
 کبھی تم نے بھی چاہا ہے کسی کو لو تمہیں کہ دو  
 نہ آؤ تم مرے پاس اور صبر آئے یہ کیوں کر ہو

کہتے ہیں تم کو جو دیکھا تو خدا کو دیکھا  
 خواب میں بھی تو مہسر ہو یہ دولت مجھ کو  
 کیا خبر تھی کہ اُنہیں کے ہوں کرشمے سارے  
 شکوۂ غور کی ہے اُن سے ندامت مجھ کو

کہتے ہو کہ اور کو نہ چاہو معلوم ہوا کہ تم خدا ہو  
 ہمت ہے تو راہ مختصر ہے اے فلک طلب بس اُٹھ کہو ہو  
 نکلا ہے کوئی تو اُن کے در سے یا رب میرا وہ مدعا ہو

آخر اِکدن 'اے گل تر' دیکھ 'مرچانا پڑا' اِس قدر بھی اپنے چامے سے کوئی باہر نہ ہو

سو تباہی اُسی نیکدم میں غافل ابھی "اُسی" اپنے قدمِ پاک کی تھوکر سے جگا دو  
 جو کہیں ہم زبان سے ' ہرجائے ' مہم میں لیکن کہیں زبان بھی ہو  
 جو ہوسکے ' توجہ اس طرح زمانے میں کہہ رہی جائے تو مرگ اُس کی زندگانی ہو

گہمت گئی وصل میں ' فرقت میں بڑھی تھی جتنی  
 رات عاشق کی کہی دن کے برابر نہ ہوئی

نہ سلتے تم جو دشمن کی زبانی بہت دلچسپ تھی مہری کہانی  
 گلا حاضر ' لیکن فائدہ کیا ؟ کہ ظالم تو ہے مہری زندگانی  
 تسلی کل کے وعدے پر غصہ ہے غم عشق اور اُمید زندگانی  
 کہاں یوسف کہاں وہ روے زیبا خدا کو ہے مجھے صورت دکھانی  
 یہ دونوں ایک ہی ترکش کے ہیں تیر محبت اور مرگ ناگہانی  
 علم کر خلد میں بھی خنجر ناز تصدق ہے حیات جاودانی

خوف دوزخ ' نہ حرص جنت کی بے غرض میں نے تجھ سے اُلفت کی  
 دیکھو تو تمنا ہے دم کہ نہ میں آزمائش ہے آج طاقت کی

گھر چھتا ' شہر چھتا ' کوچہ دلدادہ چھتا کوہِ صحرایہ میں ابھی پھرتی ہے وحشتِ دل کی  
 جس سے پھوند کیا پائی شکستِ خاطر ہمارے تقدیر ! یہ پھرتی ہوئی قسمتِ دل کی  
 راستہ چھوڑ دیا اُس نے ادھر کا "اُسی"  
 کہوں بے رہ گذر یار میں تربتِ دل کی

مہم شہابِ مہم وفائے نگار ہے کتلماہی پائدار ہو ' نا پائدار ہے  
 فانی ہے گردشِ فلکی بھی ہمارے ساتھ ساری ہمیں سے دشمنی روزگار ہے  
 عشقِ دھوس میں حسن کو تمہیں چاہیے مانو نہ مانو آگے تمہیں اختیار ہے  
 ذوقِ ادا و ناز کہاں ' بیخودی کہاں ؟ اب تو شراب وصل بھی کچھ ناگوار ہے  
 مستی میں کوئی راز جو "اُسی" سے فاش ہو '
 معذور ہے ابھی کہ نہیا بادۂ خوار ہے

اے شمع ' ایک شعلے نے تجھ کو کھا تھا  
 ہر قطرۂ سرشک یہاں شعلہ زار ہے

صدمہ دم توڑتی تھی اور یہ کہتی تھی شیخ  
ہائے اس معطل میں ہم آئے تھے رونے کے لیے

سارے عالم میں تیری خوشبو ہے اے مرنے رشک گل ' کہاں تو ہے ؟  
تجھ کو دیکھے ' پھر آپ میں رہ جائے ' دل پر اتنا کسی کو قابو ہے ؟  
وہ رہرو ہوں میں صورت نکہت گل جسے خار رہ کا بھی کھٹکا نہیں ہے  
مگر سر کے بل چلتے ہیں اُس گلی میں نشان قدم کوئی پودا نہیں ہے

دل کی قیمت سے ہوں کوڑھن بھی کم  
ہمت اب اس میں خریدار کی ہے

پڑے ہیں صورت نقش قدم ' نہ چھڑو ہمیں  
ہم اور خاک میں مل جائیں گے اُٹھانے سے

ظاہر میں تو کچھ چوت نہیں کھائی ہے ایسی ؛  
کہوں ہاتھ اُٹھا یا نہیں جانا ہے جگر سے ؟

بسان شمع سوز غم میں کیا اِخفاے گریہ ہو  
گلے کا ہار ہو جانا ہے جو آنسو نکلتا ہے

یہ حجابی یہ کہ ہر صورت میں جلوۂ آشکار  
گھونگٹ اُس پر وہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

قلعہ زار حشر سب سمجھے ہیں جس میدان کو  
دامن ناز نگہ کا گوشۂ جذبہ ہے

حشر میں ملے پھیر کر کھلدا کسی کا ہائے ہائے  
" اسی " گستاخ کا ہو جرم نا بخشیدہ ہے

ترچھی نگاہ تیغ جسدائی سے تیز ہے  
عاشق کی مرگِ سہل وہ دشوار کیوں کرے

موسیٰ اگر ملیں ' تو یہ ہے پوچھنے کی بات ؛  
دل ہی نہ ہو ' تو حسرت دیدار کیوں کرے

خوصلہ تیغ جفا کا رہ نہ جائے اُنہیے خون تہا کیچڑھے

کس کو دیکھا اُن کی صورت دیکھ کر چل میں آنا ہے کہ سجدا کھجیہ  
 راہ نکلتے نکلتے ”آسی“ چل بسا  
 کہوں کسی سے آپ وعدا کھجیہ

✓ مہری آنکھیں اور دیدار آپ کا؟ یہ قیامت آگئی، یہ خواب ہے

حجاب گلچ منگنی میں نہاں تھے آہی ہم کہاں آئے کہاں تھے  
 جب اُس کوچے کی حاصل تھی گداؤی خداوند زمین و آسمان تھے  
 اُتھے ہم، اُتھ گیا پردہ دوئی کا ہمارے اُس کے بس ہم درمیاں تھے  
 نہ نکلی بات ملہ سے صورت شمع زبان ایسی تھی گویا بے زبان تھے

وہ حال اِس طرح پوچھتے ہوں کہ اُن کو گویا خبر نہیں ہے  
 تجاہل ایسا ہے درد دل سے کہ دل میں جس طرح گھر نہیں ہے  
 نہ کہوں ہو دل کو یقین پیدا شہادت اُن کی ہے قیہب اُن کا  
 نقاب ملہ پر نہیں ہے لیکن کسی کو قاب نظر نہیں ہے

حسن کی چارہ گری کا ہے بڑا شور مگر درد الفت کہیں محتاج دوا ہوتا ہے  
 دشمن ریست جدائی ہے تو ملنا کیا ہے قطرہ دریا سے جو ملتا ہے فنا ہوتا ہے  
 جس میں دیدار ہو وہ بھی ہے قیامت کوئی یہ قیامت ہے کہ وہ مجھ سے جدا ہوتا ہے

لذت ایک گوشت چاھیہ مجھ کو کیا وہ دل بھی دکھا نہیں سکتے؟  
 وعدہ بھی ہے تو ہے قیامت کا جس کو ہم آزما نہیں سکتے  
 مانگتے موت کی دعا، لیکن ہاتھ دل سے اُٹھا نہیں سکتے

اُنی عدم میں کشتی عمر رواں مجھے پہنچا دیا ہے بیٹھے بٹھائے کہاں مجھے؟  
 حق پوچھوے تو بات تھی انصاف کی یہی نام عدد لیا تو کہا بدزبان مجھے  
 اُغ جہاں میں طائر رنگ پریدہ ہوں خوف نفس ہے کچھ فہم آشیاں مجھے  
 لی عدم سے لے بھی چلی جانب عدم کیسی رفیق رہ ملی عمر رواں مجھے

✓ کیا راہ طلب مرے بھی طے ہوتی ہے، ”آسی“؟  
 آسودگی حرف ریست؛ یہاں ہے، نہ وہاں ہے

مہری آنکھیں اور اُس کی خاک پا، تیرے کوچے کا اگر رھبر ملے



کچھ نہ پوچھو کہسی نفرت ہم سے ہے ہم ہوں جب تک 'وہ ہمیں کھونکر ملے؟  
 "آسی" گریباں ملا مستحسب سے  
 گل سے شہلم جس طرح رو کر ملے

ہے صید فلان 'چو هدف تیر نظر ہے چہرہ مڑے سولے کو: نہ دل ہے 'نہ جگر ہے  
 ملنے کی یہی راہ نہ ملنے کی یہی راہ دنیا جسے کہتے ہوں عجب راہ گذر ہے  
 وہ در چلا جام سے بیخبری کا ہم وہ ہیں کہ وہ ہم: نہیں اتنی بھی خیر ہے  
 پہنچوئے اسی کوچے میں جس راہ سے جاؤ جو راہ ہے اُس کوچے کی بدخون و خطر ہے  
 ہم بزم ہو رقہب تو کہوں کر نہ چھوڑے آہنگ ساز درد کہ نالا کہوں جسے  
 پھمانے نگاہ سے آخر چھلک گیا سر جوش ذوق وصل 'تمنا کہوں جسے

فش نہ آجائے کہیں مازند موسیٰ 'دیکھو! مہری آنکھوں سے نہ ایلا آپ جلو دیکھو  
 آپ سے دیکھی نہیں جانی تھی مہری زندگی  
 لہجہ مروتا ہوں اب مروتا مہرا دیکھو  
 رات "آسی" کہتے تھے اپنے ساتھ خانے کو گور  
 جیتے جی مر جاتے ہیں عاشق: تماشا دیکھو

اجی دل میں اتر آؤ کسی دن مہری آنکھوں پر اپنے پانوں دھو کے  
 لحد میں اب نہ چھوڑو 'اے فرشتو' ستائے ہیں کسی کے عمر بھر کے  
 برونگ شمع تہلدا بھی کر 'اے صبح' جلائے ہوں کسی کے رات بھر کے

سہا یہ جانیں کہ غزل "آسی" میلوش کی ہے  
 شہر جو نکلے وہ دامن کی طرح تر نکلے  
 یہ کہ کہ کے اُس نے مٹایا مجھ کہ جو کھو گھا اُس نے پایا مجھ

مستحسب

وقت آخر ہوں تیرے مضطر کے نہ چما کوئی عاشقی کر کے  
 اب بھی کہتا ہے آہیں بھر بھر کے کون جیتا ہے 'اے صلم' مر کے  
 آؤ تو دیکھ لیں نظر بھر کے

جھک کے لکھا وہ ہائے تہرے قدم تھوکر میں مارنا ترا پیہم  
 مر کے بھی اے صدم خدا کی قسم سر کو ٹکراتے ہیں لحد میں ہم  
 لطف بھولے نہیں ہیں تھوکر کے

### قصیدہ

مدح ثواب کلب علی خاں، والی رام پور

کہاں ترا کوئی بکھر وجود میں ثانی حجاب، دیدہ اہل نظر میں ہے پانی  
 زوال صورت اشیا ہے صورت ہمہ اوست غرض کہ ہیچ مدائی ہوئی ہمہ دانی  
 نہ جان دیکھ بھی ہم سمجھ والے نادانی کہ تھا وہی لب جاں بخش دشمن جانی  
 تمہیں نعل دل میں چلے آؤ، دیکھ لو سب حال نہیں ہے قابل اظہار درد پنهانی  
 ہوا، نہ برق، نہ آندھی یہ سب مثال غلط مری نظر میں تو ٹھوڑا ترا ہے لا ثانی

### رباعیات

غلیچے، تجھے مہروی دلنگاری کی قسم شہد، تجھے مہروی اشکباری کی قسم  
 کس گل کی نسیم صبح خوشبو لائی بہتاب ہے دل چناب باری کی قسم  
 باز آؤ دم عشق کے اب بھرنے سے ”آسی“ کرتے نہیں ہو تم مرنے سے  
 معجزوں کے لب کور سے آتی ہے صدا مرنا بہتر ہے عاشقی کرنے سے  
 پوری میں غم شباب کیا کھانا ہے نادان، وہ لطف اب کہاں آتا ہے ؟  
 کہوں کر نہ بڑھاپے میں ہو چہرہ بے نور جب صبح ہوئی چراغ بجھ جانا ہے  
 ہستی میں عدم سے کیا وہ لایا ہم کو آرام سے سوتے تھے، چٹکایا ہم کو  
 پھونکی نہیں روح قالب خاکی میں در پردہ یہ خاک میں ملایا ہم کو  
 یا مجھ کو ترا حسن نہ بھایا ہوتا یا ہر رگ و پے میں تو سمایا ہوتا  
 یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہونا تھا ہر جزو بدن کو دل بدلایا ہوتا



## کے مطبوعات

- ۱—از منہ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات -  
از علامہ عبداللہ بن یوسف علی ، ایم - اے ، ایل ایل ایم ،  
سی - بی - اے ، مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ - غیر مجلد ۱ روپیہ -
- ۲—اُردو سروے رپورٹ—از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب  
ایم - اے - ۱ روپیہ -
- ۳—عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان ندوی - ۴ روپیہ -
- ۴—ناتن (جرمن ڈراما) مترجمہ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب -  
ایم - اے ، ایم - آر ، اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -
- ۵—فریب عمل (ڈراما) مترجمہ بابو جگت موہن لال صاحب ،  
رواں - ۲ روپیہ -
- ۶—کیہر صاحب - مرتبہ پلندت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -
- ۷—قرون وسطیٰ کا ہندوستانی تمدن - از راء بہادر مہا مہو آبادھیہ  
پلندت گوری شنکر ہیرا چند اوجھا ، مترجمہ منشی پریم چند -  
قیمت ۴ روپیہ -
- ۸—ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی - قیمت ۲ روپیہ -
- ۹—ترقی زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقہوم صاحب  
ڈپٹی ڈائریکٹر زراعت - قیمت ۴ روپیہ -
- ۱۰—عالم حیوانی - از بابو برجیش بہادر ، بی - اے ، ایل ایل بی -  
۶ روپیہ ۸ آنہ -
- ۱۱—معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین ، ایم - اے ، پی ایچ ڈی -  
مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ ، غیر مجلد ۱ روپیہ -
- ۱۲—فلسفہ نفیس - از سید ضامن حسین نقوی - قیمت مجلد  
۱ روپیہ ۸ آنہ ، غیر مجلد ۱ روپیہ -
- ۱۳—مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کوہلی ، ایم اے -  
قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ ، غیر مجلد ۴ روپیہ -

۱۴۰۔ جواہرِ سخن - جلد اول - مرتبہ مولانا کیفی چریا کوٹی۔  
قیمت مجلد ۵ روپیہ، غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ -

۱۵۰۔ علمِ باغبانی - از مستر وصی اللہ خاں - ایل - اے - جی - قیمت  
مجلد ۶ روپیہ ۸ آنہ، غیر مجلد ۶ روپیہ -

۱۶۰۔ انقلابِ روس - از کشن پرشاد کول - ممبر سرونٹس آف انڈیا  
سوسائٹی لکھنؤ - قیمت مجلد ۳ روپیہ، غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۱۷۰۔ چلد دکھنی پہلوہاں - از محمد نعیم الرحمان، ایم - اے، استاد  
عربی و فارسی، الہ آباد یونیورسٹی - قیمت ۱ روپیہ ۴ آنہ -

۱۸۰۔ تاریخِ فلسفہٴ سیاسیات - از محمد مجیب، بی - اے (اکسن)  
جامعہ ملیہ اسلامیہ - دہلی - قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ  
غیر مجلد ۴ روپیہ -

۱۹۰۔ انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ - از علامہ  
عبد اللہ یوسف علی صاحب - قیمت مجلد ۴ روپیہ، غیر  
مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ -

۲۰۰۔ فلسفہٴ جمال - از ریاض الحسن صاحب - ایم - اے - قیمت ۱ روپیہ -

۲۱۰۔ دیوانِ بہدار - از جلیل احمد قدوائی صاحب - ام - اے - قیمت  
مجلد ۲ روپیہ، غیر مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -

۲۲۰۔ نفسیاتِ فاسدہ - از معتضد ولی الرحمان صاحب، ایم - اے - قیمت  
مجلد ۸ روپیہ ۸ آنہ، غیر مجلد ۸ روپیہ -

۲۳۰۔ سلطان الہدٰی محمد شاہ بن تغلق - از پروفیسر آغا مہدی  
حسین، ایم - اے، پی - ایچ - تی - تی - اے - قیمت مجلد  
۳ روپیہ، غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۲۴۰۔ نظامِ شمسی - مترجمہٴ شوہج جگر، بی - اے، ایل - تی،  
قیمت ۹ روپیہ -

## ہندوستانی اکیڈمی یو - پی، الہ آباد -

چرنگر - غلام اصغر، سٹی پریس، الہ آباد - پبلشر - ڈاکٹر تارا چند، ہندوستانی اکیڈمی - الہ آباد -



CALL No. { 1919.441.9  
2.44 AGC. No. 12424  
AUTHOR لکھنؤ میں  
TITLE جوہر سن

2.44	1919.441.9	AT THE TIME
12.44	12424	
لکھنؤ میں		AT THE TIME
جوہر سن		

Date	No.	Date	No.



# MAULANA AZAD LIBRARY ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

## RULES:—

1. The book must be returned on the date stamped above.
2. A fine of Re. 1-00 per volume per day shall be charged for text-books and 10 Paise per volume per day for general books kept over - due.

